بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

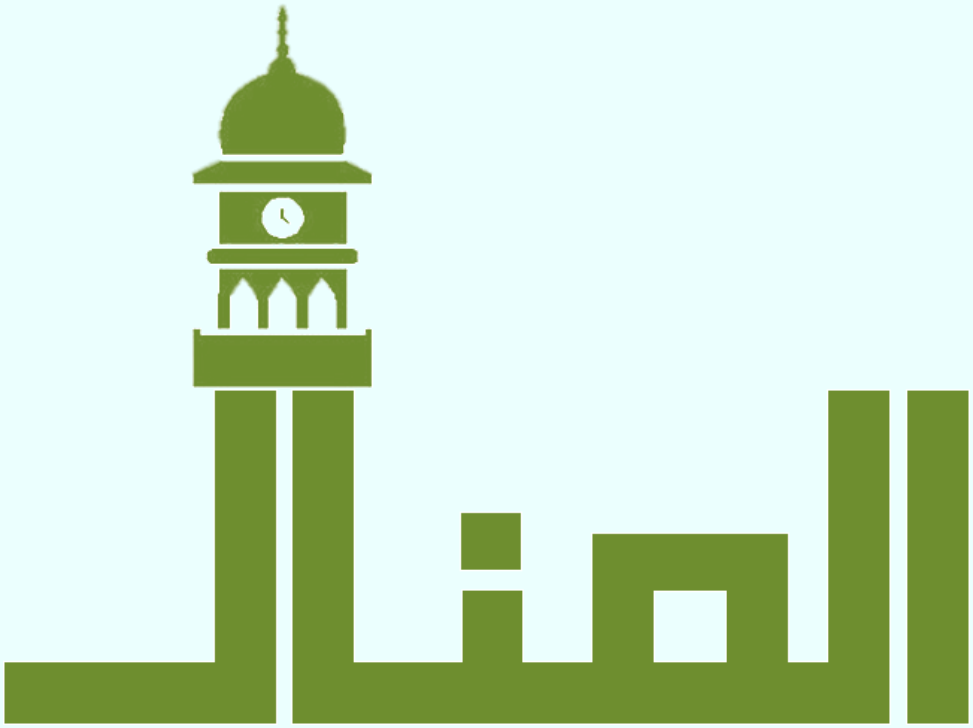

ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کی یاد میں سپیشل نمبر

جولائی۔اگست ۲۰۱۴

رابطہ: پروفیسر چوہدری حمید احمد۔ صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

چیف ایڈیٹر: چوہدری کولمبس خاں

ایڈیٹوریل بورڈ: چوہدری انیس احمد۔ میجر عبدالوحید رانا۔ منیر احمد باجوہ۔

مینیجر: چوہدری عبدالغفور ڈوگر

ترتیب وڈیزائن: محمد ظہیر احمد۔Software Engineer

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	احکام خداوندی۔ حدیث نبوی۔	۱
۲	ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۲
۳	پیغام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ	۳
۴	پیش لفظ ۔پروفیسر حمید احمد۔ صدر ایسو سی ایشن	۴
۵	قراردادِ تعزیّت بر وفات محترم ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید	۷
۶	قراردادِ تعزیّت بر وفات محترم مولانا عبدالوہاب آدم	۸
۷	ہمارا پیارا بھائی۔ ”جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے“ مولانا ہادی علی چوہدری	۹
۸	منظوم کلام ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید	۱۸
۹	بیچ سب تاروں کے تُو چمکا کہ جیسے ہو قمر: ثمینہ ملک	۲۰
۱۰	ڈاکٹر مہدی علی کی یاد میں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان	۳۰
۱۱	کسبِ کمال سے عزیزِ جہاں : پروفیسر مبارک احمد عابد	۳۳
۱۲	نظم: پروفیسر مبارک احمد عابد	۳۵
۱۳	ملک بشارت احمد مرحوم۔ منیر احمد باجوہ	۳۶
۱۴	تمہاری یاد کی پرچھائیاں ہیں تم نہیں ہو۔ ڈاکٹر عمران احمد خان۔ ربوہ	۴۰
۱۵	شام کے بعد۔ ڈاکٹر مہدی علی شہید	۴۳
۱۶	معاونین خاص	۵۳
۱۷	توسیع ایڈوائزری کمیٹی، اعلان انتخاب	۵۸
	انگریزی / جرمن سیکشن	

ارشادِ باری تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّـهَ مَعَ الصَّابِرِينَ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّـهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّـهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ- (157- 154) سورة البقرة۔آیات

ترجمہ۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (اللہ سے) صبر اور صلوۃ کے ساتھ مدد مانگو۔یقیناًاللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مردے نہ کہو بلکہ (وہ تو) زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف اور کچھ بھوک اور کچھ اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے۔اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے۔ان لوگوں کو جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم یقیناًاللہ ہی کے ہیں اور ہم یقیناًاسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ـ رضى الله عنه ـ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ

" مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَىْءٍ، إِلاَّ الشَّهِيدُ، يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ "-

(بخاری)

ترجمہ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے' خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید کے۔اس کی یہ تمنا ہوگی کہ دنیا میں دوبارہ واپس جا کر دس مرتبہ اور قتل ہو (اللہ کے راستے میں) کیونکہ وہ شہادت کی عزت وہاں دیکھتا ہے۔

ارشادات عالیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اُسکی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اِس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدُوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔۔۔۔ پس تم خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہو گے تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے اور آسمانی سکینت تم پر اُترے گی۔ اور روح القدس سے مدد دیئے جاؤ گے۔ اور خدا ہر ایک قدم میں تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکے گا۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو۔ گالیاں سنو اور چُپ رہو۔ ماریں کھاؤ اور اور صبر کرو اور حتی المقدور بدی کے مقابلے سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری قبولیت لکھی جاوے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور دل اُن کے خدا کے خوف سے پگھل جاتے ہیں او نہیں کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔۔ ﴿تذکرۃ الشہادتین 66..68﴾

کلام حضرت مُصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ

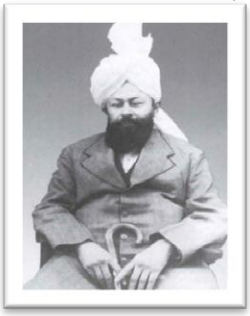

دشمن کو ظُلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دعا تم صبر کرو وقت آنے دو

یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خون سینچے بغیر نہ پنپیں گے
اِس راہ میں جان کی کیا پرواہ جاتی ہے اگر تو جانے دو

تم دیکھو گے کہ انہی میں سے قطراتِ محبت ٹپکیں گے
بادِل آفات و مصائب کے چھاتے ہیں اگر تو چھانے دو

صادق ہے اگر تو صدق دکھا قربانی کر ہر خواہش کی
ہیں جنسِ وفا کے ماپنے کے دنیا میں یہی پیمانے دو

جب سونا آگ میں پڑتا ہے تو کندن بن کے نکلتا ہے
پھر گالیوں سے کیوں ڈرتے ہو دل جلتے ہیں جل جانے دو

وہ تم کو حسین بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے۔ دشمن کو تیر چلانے دو

کلام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

خون شہیدانِ اُمت کا اے کم نظر، رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا

ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے، پھول پھل لائے گی، پھول پھل جائے گی

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے ہی فتوحات ملتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق فتوحات ملیں گی۔ لیکن یہ بھی یادرکھنا چاہیئے کہ تمام تر وعدوں کے باوجود ان فتوحات کو حاصل کرنے کے لئے جان کی قربانیاں دینی پڑیں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر ہم نے ان قربانیوں کے پھل جلد سے جلد حاصل کرنے ہیں تو دعاؤں کے معیاروں کو بلند کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔اپنے اندر وہ حالات پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے۔ ۔عبادتوں کے معیار بلند کرنے پڑیں گے۔

پیش لفظ

المنار کا یہ شمارہ ہمارے نہایت ہی پیارے بھائی اور تعلیم الاسلام کالج کے ہونہار سابق طالب علم ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کی یاد میں وقف کیا جارہا ہے، جنہوں نے امریکہ میں ہارٹ سرجری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے انہیں بہت سے قابل فخر اعزازات سے نوازا۔ وہ 22 مئی کو امریکہ کی اوہایئو سٹیٹ میں اپنی نہایت پر کشش ملازمت سے رخصت لے کر محض خدمت خلق کے جذبہ سے معمور مئی میں تین ہفتوں کے لئے وقف عارضی کر کے فضل عمر ہسپتال ربوہ کے طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں اعزازی طور پر خدمت انسانیت کے لئے تشریف لے گئے۔ ربوہ پہنچنے کے تین دن بعد نماز فجر ادا کر کے اپنی اہلیہ اور اڑھائی سالہ بچے کے ہمراہ بہشتی مقبرہ میں مدفون اپنے بزرگوں اور پیاروں کی قبروں پر دعا کی غرض سے علی الصبح گھر سے پیدل روانہ ہوئے۔ وہ ابھی بہشتی مقبرہ کے گیٹ میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ دو موٹر سائیکل سوار انسان نما دہشت گرد درندوں نے ان کی اہلیہ اور کم سن معصوم بیٹے کے سامنے گولیوں کی بوچھاڑ کر کے انہیں شہید کر کے ابدی زندگی کی راہ پہ ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شواہد بتاتے ہیں ڈاکٹر مہدی علی قمر کی شہادت پاکستان میں جاری عام دہشت گردی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس کی تیاری اور منصوبہ بندی پہلے سے کی جا رہی تھی۔ شبّان ختم نبوت کے نام کی ملاؤوں کی ایک تنظیم برملا یہ اعلان کر رہی تھی کہ ''امت مسلمہ کی تمام مکاتیب فکر کے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ مرزائی کافر اور زندیق ہیں اور جو شخص ان سے تعلق رکھے وہ ظالم فاسق اور مستحق عذاب جہنم ہے اور ان کو مسلمان سمجھنے والا خود کافر ہے۔ نیز یہ کہ طاہر ہارٹ سنٹر میں علاج کروانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے''۔ ان کھلم کھلا تحریری اعلانات اور اشتہارات کا حکومتِ وقت نے حسب معمول کوئی نوٹس نہ لیا۔ حتیٰ کہ اس انسانیت سوز ظلم کی مذمت تک نہ کی۔

ہمارے دل اپنے پیارے بھائی کی جدائی سے مغموم ہیں مگر ہمارے خالق حقیقی نے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَ الْأَنْفُسِ فرما کر ہمیں پہلے سے تیار کر رکھا ہے کہ ایسے حادثے ہوں گے اور ساتھ ہی ۞ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ کی خوشخبری بھی دے رکھی ہے۔اسی پیغام کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس شعر میں یاد کروایا ہے

یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خون سینچے بغیر نہ پنپیں گے

اِس راہ میں جان کی کیا پرواہ جاتی ہے اگر تو جانے دو

اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اس خوشخبری کو ان الفاظ میں دہرایا ہے

خوں شہیدانِ اُمت کا اے کم نظر، رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا

ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے، پھول پھل لائے گی، پھول پھل جائے گی

ہم تو اِنَّمَا اَشْكُوبَثِّي وَحُزْنِيْ اِلَى اللہ کا ورد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں اور کسی انسانی تعزیت کے خواہاں نہیں مگر دنیا کے ان تمام لوگوں۔افراد ہوں یا حکومتیں۔کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس ظلم کی نہ صرف بڑے زور سے مذمت کی بلکہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ اس انسانیت سوز قتل کی تحقیقات کروائی جائے اور جماعت احمدیہ کے افراد کے خلاف بڑھتی ہوئی بربریت کے روکنے کے اقدامات کئے جائیں۔ایسا کرنے میں ہزاروں افراد کے علاوہ حکومت امریکہ کی پارلیمنٹ اور امریکہ کی اوہائیو سٹیٹ اسمبلی میں مذمتی قرار دادیں پاس کی گئیں اور دنیا بھر کے اخباروں نے کالموں اور اداراتی صفحات پر اپنے رنج کا اظہار کیا۔خاکسار نے بھی اس کے متعلق ایک خط وزیر اعظم پاکستان کو لکھا اور اس کی نقول بہت سے درد دل رکھنے والے خواتین و حضرات کو بھجوائیں۔ایک نہایت ہی معزز پاکستانی تجزیہ نگار خاتون نے جواب میں لکھا:

Dear Hamid Chaudhry Sahib,

I read your letter to the Prime Minister and feel ashamed of myself belonging to such a 'Muslim' community. I share your disappointment and sorrow. My heart bleeds for Dr. Mehdi and his family. I have no words to express my anger and grief.

In grief and solidarity

ہم ایسے تمام خواتین و حضرات اور حکومتی اور غیر حکومتی اداروں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا مگر افسوس کہ حکومت پاکستان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور ایسا ہوتا بھی کیوں؟ایک پاکستانی صحافی نے تو مجھے یہاں تک لکھا کہ آپ ان لوگوں سے ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں جو ان ظالموں کے مدد و معاون ہیں۔

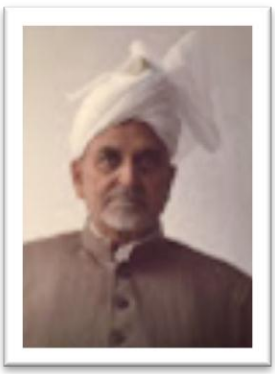

اگرچہ خاکسار کے علم میں تھا کہ ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کے خاندان میں ان کے نانا محترم ماسٹر ضیاء الدین شہید سے لیکر اور بھی شہادتیں ہوئی ہیں مگر ڈاکٹر صاحب شہید کے بڑے بھائی محترم ہادی علی چوہدری نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کو دس شہادتیں پیش کرنے کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔یہ خاندان صرف شہداء ہی کا نہیں، جماعت کی ہر قسم کی خدمت میں خدا کے فضل سے پیش پیش ہے۔ان کے والد محترم چوہدری فرزند علی صاحب آف دارالرحمت غربی ربوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نامزد فرمودہ ابتدائی صدورِ

عمومی میں سے تھے۔ان دنوں صدر عمومی کا عہدہ جنرل پریذیڈنٹ کہلاتا تھا۔ چوہدری صاحب مرحوم نے نہ صرف خود نہایت اخلاص و وفا سے جماعت کی خدمت کی بلکہ یہ روح اپنی اولاد میں اس شدت سے پھونک دی کہ ان کی تمام اولاد کسی نہ کسی رنگ میں یا تو باقاعدہ وقف ہے یا وقف کی روح سے خدمت دین اور انسانیت میں لگی ہوئی ہے۔ محترم چوہدری ہادی علی صاحب کی ذات سے تو تمام جماعت واقف ہے نہ صرف اس لئے کہ وہ مبلغ سلسلہ ہیں اور جامعہ احمدیہ کینیڈا کے پرنسپل ہیں بلکہ ان کی علمی خدمات بھی ان کو بطور اعلیٰ درجہ کے مصنف متعارف کروا چکی ہیں۔ان کی تصنیف سیرت خاتم النبیین نے قمر الانبیا حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ کی اس خواہش کی تکمیل کی جس میں انہوں نے خواہش کی تھی کہ اگر میرے بعد کسی کو توفیق ملے تو اس کتاب کے پہلے حصہ کو آگے چلا کر ان کے تجویز کردہ عناوین کو مکمل کرے۔ میں سمجھتا ہوں یہ محترم چوہدری فرزند علی صاحب مرحوم کا صدقہ جاریہ ہی ہے۔

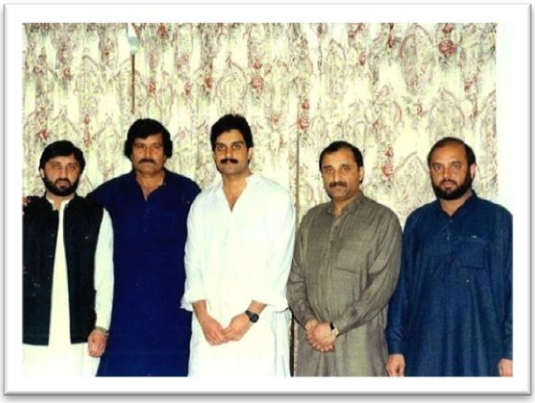

میں چاہتا تو ہوں کہ ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید کا ذکر کرتا چلا جاؤں مگر اسی ایشو میں مہدی شہید کے بھائی، بہن اور اساتذہ کے مضامین بھی شامل ہیں جو ان کی زندگی پر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں، اس لئے صرف یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ تعلیم الاسلام کالج سابق طلباء کی یہ پہلی شہادت نہیں ہے اس سے قبل 1953 کے اینٹی احمدیہ فسادات میں لاہور میں ہمارا ایک طالب علم شہید کیا گیا۔ لاہور کی مساجد پر حملوں میں کئی ایک شہادتیں ہوئیں اور خدا جانے کب تک اللہ تعالیٰ یہ قربانیاں لیتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان شہادتوں کے پھل اپنے وعدہ کے مطابق جماعت کو عطا فرماتا رہے۔آمین۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ　　نَحمدُہٗ وَنصلی علٰی رسُولہِ الکریم　　وَعلیٰ عَبدِہِ المسیح الموعُودؑ

T. I. College Old Students Association e.V. Germany

قرار دادِ تعزیّت

بر شہادت محترم ڈاکٹر مہدی علی قمر صاحب

ہم ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسو سی ایشن جرمنی اپنے نہایت ہی پیارے بھائی محترم ڈاکٹر مہدی علی قمر فرزند ارجمند محترم چوہدری فرزند علی صاحب مرحوم کی دردناک شہادت پر اپنے دِلی رنج اور دُکھ کا اظہار کرتے ہیں اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ کہتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کو جنت الفردوس میں اپنے قرب میں جگہ دے اور ان کے بچوں اور اہلیہ اور ان کے خاندان کے تمام افراد کا خود حامی وناصر رہے۔ آمین۔ مکرم محترم ماسٹر ضیاالدین ارشد صاحب شہید سے لے کر اب تک مکرم چوہدری فرزند علی صاحب مرحوم کے خاندان میں خدا تعالیٰ کی راہ میں آٹھ شہادتیں ہو چکی ہیں۔اس لحاظ سے یہ شہیدوں کا منفرد خاندان ہے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 30 مئی 2014 میں شہید مرحوم کے نافع النّاس وجود ہونے کے بارہ میں انکی نہایت اعلیٰ صفات اور خدمات کا جس تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے وہ ہم سب کے لئے قابلِ رشک اور مشعلِ راہ ہے۔

مکرم ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید ہماری طرح تعلیم الاسلام کالج کے ایک سابق طالب علم تھے اس تعلق کی بدولت بھی ہمیں بہت عزیز تھے۔ ہم ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسو سی ایشن جرمنی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اِس جماعتی صدمہ پر دِلی تعزیّت کا اظہار کرتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ رہنے والے ایسے قابل رشک نوجوان خدام عطا فرماتا رہے اور ہم سب کو مرحوم کے اوصاف حمیدہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا ہم سب خلافت احمدیہ کے وفا شعار خادم بن کر دین اسلام کی خدمت کرنے والے ہوں۔ آمین

اِسی طرح ہم محترم ڈاکٹر مہدی علی صاحب قمر شہید کے اہل خانہ،ان کے برادران محترم ہادی علی چوہدری واقف زندگی،ارشد علی چوہدری، جرمنی میں مقیم ان کے بھتیجے مکرم خاور افتخار صاحب،ان کی بھتیجی محترمہ شازیہ باسط کریم صاحبہ اور دیگر تمام افراد خاندان کی خدمت میں بھی اپنے دِل کی گہرائیوں سے تعزیّت کا اظہار کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہید مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جُملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ہم ہیں حضور کے خدام ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسو سی ایشن جرمنی

بذریعہ خاکسار پروفیسر حمید احمد چوہدری

05.06.2014

بِسمِ اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم نَحمدُہٗ وَنصلی علیٰ رسولہِ الکریم وَعلیٰ عبدہِ المسیح الموعود

T. I. College Old Students Association e.V.

قراردادِ تعزیّت

بروفات محترم مولانا ڈاکٹر عبدالوہاب بن آدم صاحب۔امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ گھانا

ہم ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی۔ برِاعظم افریقہ سے احمدیت کے مخلص فرزند مکرم مولانا ڈاکٹر عبدالوہاب بن آدم صاحب۔امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ گھانا کی رحلت پر اپنے دِلی رنج اور دُکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ اِنَّا للہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُونۡ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ہم میں سے بہتوں نے ان کو ربوہ کے ابتدائی ایام میں امری عبدی صاحب مرحوم کے ساتھ مخصوص افریقن لباس میں ربوہ کی کچی گلیوں میں بڑے وقار سے پھرتے اور ہر ایک کو سلام کرتے دیکھا۔ مرحوم خلافت احمدیہ کے فدائی اور نہایت خوش اخلاق تھے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 27 جون 2014 میں مولانا عبدالوہاب بن آدم مرحوم کی صفات اور خدمات کا جس تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے وہ ہم سب کے لئے قابل رشک اور مشعل راہ ہے۔

ہم ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس جاں گسل صدمہ پر دِلی تعزیّت کا اظہار کرتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت احمدیت کو ایسے قوی اور امین خدام عطا فرماتا رہے اور ہم سب کو مرحوم کے اوصاف حمیدہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا ہم خلافت احمدیہ کے وفا شعار خادم بن کر جماعت کی خدمت کرنے والے ہوں۔ آمین

اسی طرح ہم محترم ڈاکٹر محترم مولانا ڈاکٹر عبدالوہاب بن آدم مرحوم کے اہل خانہ تمام خاندان کی خدمت میں بھی اپنے تعزیت کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

ہم ہیں حضور کے خدام ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بذریعہ خاکسار پروفیسر حمید احمد چوہدری

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ علیہ السلام

''جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے''

(از ہادی علی چوہدری۔ٹورانٹو)

''آج میں اپنے ایک انتہائی پیارے، مخلص، باوفا، نافع النّاس اور بہت سی خوبیوں کے مالک جن کا نام ڈاکٹر مہدی علی قمر تھا ابن مکرم چوہدری فرزند علی صاحب کا ذکر خیر کروں گا جنہیں 26 مئی کو ربوہ میں شہید کر دیا گیا۔''

''ان کو ربوہ سے ایک خاص محبت تھی جو ساری زندگی آپ کے دل میں رہی۔ یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی سر زمین ربوہ میں اپنے خدا کے حضور پیش کی۔''

''طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں خدمت کے لئے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر اور بغیر کسی تکلّف کے پیش کیا۔ ارادے کے بہت پکے تھے۔ بے لوث خدمت خلق کے لئے ان کا اس ہسپتال میں آتے رہنا اپنے پیشہ کے ساتھ پُر خلوص وابستگی کا ثبوت ہے۔ انتہائی عاجز انسان تھے۔ حافظہ کمال کا تھا۔ قرآن کریم اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ساتھ شاعری اور کیلیگرافی میں بھی دلچسپی تھی''۔

(حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ خطبہ جمعہ 30 مئی 2014ء)

ہمارا سب سے چھوٹا بھائی مگر بہت بڑا بھائی راہِ مولیٰ میں قربان ہو گیا۔ یوں تو یہ کوئی نئی قربانی نہیں ہے جو مہدی علی شہید نے پیش کی ہے۔ مگر اس دَور کے ایمانی تقاضوں میں ایک نیا رنگ اور نیا جلوہ پیش کرتی ہے۔ بنیادی طور پر قربانیوں کا سلسلہ آج سے چھ ہزار سال قبل حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں سے شروع ہوا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ المائدہ کی آیت 27 سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ قربانیوں کو وَفَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ (الصّٰفّٰت:108)) کے ذریعہ ایک نیا رُخ عطا ہوا۔ اس عظیم رُخ پر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے ایسی ایسی قربانیاں پیش کیں کہ جنہوں نے شجرِ اسلام کو کمال سیرابی عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ کے داماد اور نواسے بھی راہِ حق میں قربان ہوئے اور ایک سے ایک بڑھ کر جلیل القدر اور محبوب ساتھی بھی اسی '' ذبح عظیم'' کے لئے پیش ہو کر شہید ہوئے۔

دورِ آخرین میں ایمان کو ثریّا سے زمین پر لانے والے مسیح و مہدی ں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دَور کا آدمؑ بھی قرار دیا، ابراہیمؑ بھی اور محمدؐ بھی۔ اس لئے اس دَور میں قربانیوں کا انداز بھی اپنی نوعیت کا ایک خاص ''ذِبحِ عظیم'' ہے جو ان مذکورہ بالا قربانیوں کا اجتماعی اور جامع رنگ رکھتا ہے۔ اس جامع دَور میں الہامِ الٰہی '' شَاتَانِ تُذْبَحَانِ'' (کہ دو بکریاں ذبح کی جائیں گی) کے پیغام بھی عملی رنگ اختیار کرتے ہیں، قربانی کے تقاضوں کے تحت دین کے لئے زندگیاں بھی وقف کی جاتی ہیں اور احیائے اسلام کے لئے رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے نقشِ قدم پر جانیں بھی نچھاور کی جاتی ہیں کیونکہ یہ دَور ہر پہلو سے ایک جامع دَور ہے۔

26؍مئی 2014ء کو میرے چھوٹے بھائی، صرف میرے ہی نہیں، انور احمد مبشر صاحب، ذوالفقار احمد صاحب، افتخار احمد نسیم صاحب، شمیم اختر صاحبہ، امۃ الحلیم صاحبہ، محمودہ نصرت صاحبہ، امجد علی صاحب، ارشد علی صاحب، اشرف علی صاحب، عفیفہ نجم صاحبہ اور ثمینہ نجم صاحبہ کے سب سے چھوٹے بھائی کو ربوہ کی مقدّس سرزمین پر شہید کر دیا گیا۔ یہ پہلے شہید کا خون تھا جس نے مسیحِ پاک علیہ السلام کے الہام ''داغِ ہجرت'' کی تعبیر کی حامل مقدّس زمین کو خون دیا۔ ہمارا خاندان مہدی علی شہید کی اس قربانی پر فخر کرتا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ ربوہ کی سرزمین پر اپنے مولائے حقیقی کے حضور خون کا نذرانہ پیش کرنے والے کا نام مہدی تھا۔ وہ مسیحِ زماں و مہدیٔ دوراں علیہ السلام کا دل و جان سے سچا اور فدائی متّبع تھا۔ وہ اس کی جماعت کی سربلندی کا خواہاں تھا اور اس کے لئے سرگرم عمل بھی۔ اس کا نام اسے اس دَور کے مہدیؑ کے ساتھ سرتاپا وابستہ رکھتا تھا۔ اس کی شہادت کی تاریخ بھی حضرت مہدی علیہ السلام کے وصال کی تاریخ تھی بلکہ معیّن اور مکمل تحقیق کے مطابق ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح بھی اسی تاریخ یعنی 26 مئی ہی کو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہوئی تھی۔ یہ لکھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عزیزم ڈاکٹر مہدی علی شہید کو کوئی ایسا مقام دیا جا رہا ہے جس کا وہ کسی طور پر بھی مستحق نہ تھا۔ بلکہ یہ اتفاقات بیان کرنے کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان کے بیان سے لواحقین کے پُرازدرد والم دلوں میں اس کی جدائی کے اِس غم کے ہوتے ہوئے بھی ایک گونہ تسکین کے سامان ہو جائیں۔ پھر یہ بھی ایک مقصد ہے کہ قربان ہونے والا یہ شہید کیسا خوش قسمت تھا کہ جنابِ الٰہی سے اسے شہادت کی وہ تاریخ ملی جو ان پاک ترین وجودوں کے وصال کی تاریخ تھی جو اس کے جسم و جان، قلب و روح اور زندگی کے محور تھے، جو اس کے وجود کی علّتِ غائی تھے۔ پس یہ بیان کرنے کا اتنا ہی مقصد تھا وبس۔ شہادت کے ابتدائی وقت میں لی گئی مہدی علی شہید کی تصویر جب میں نے پہلی بار دیکھی تو اس کے زمین پر پڑے ہوئے شہید جسم اور پُراطمینان چہرے کو دیکھتے ہی حضرت خبیب بن عدیؓ کے دو شعروں نے زبان اور سوچ پر قبضہ کر لیا۔ یہ شعر انہوں نے اس وقت کہے جب کفّار انہیں قتل کے لئے سوئے مقتل لے جا رہے تھے تو انہوں نے رضائے باری تعالیٰ پر خوشی کے ساتھ راضی ہو کر بڑے عزم و استقلال کے ساتھ کہا:

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِماً عَلٰی اَیِّ شِقٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی
وَ ذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَ اِنْ یَّشَاء یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شَلْوٍ مُّمَزَّعِ

کہ جب میں اسلام کی حالت میں اور مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے یہ پرواہ نہیں ہے کہ میں قتل ہو کر کس پہلو پر گروں۔ یہ سب کچھ محض خدا تعالیٰ کے لئے ہے اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکتیں نازل فرمائے گا۔

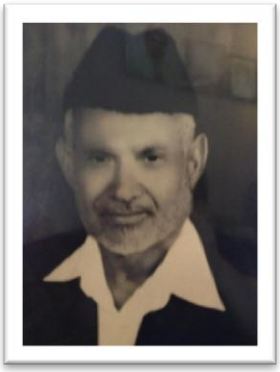

اگر حضرت خبیبؓ کی یہ بات سچ تھی اور یقیناً سچ ہے تو پھر ہر شہید احمدی کے جسم کا ہر ذرّہ اور خون کا ہر قطرہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلام احمدیت کے لئے برکتوں کے نزول کا ضامن ہے۔ تصویروں میں مہدی علی شہید کو لمبس امریکہ کی مسجد میں دیوار پر آویزاں دنیا کے ایک بڑے نقشے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا''

محترم ماسٹر ضیاءالدین ارشد صاحب

لکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اس کے جسم کے ایک ایک ذرّے نے اور خون کے ایک ایک قطرے نے حضرت خبیبؓ کی اس بات کو عملاً سچا ثابت کر دکھایا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مہدی علی شہید کے جسم کے ایک ایک ذرّے کو برکتوں سے بھر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی شہادت کے ذریعہ ایک بار پھر احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو دنیا میں بڑی کثرت، سرعت اور زور کے ساتھ متعارف کرا دیا۔اس طور پر شہید مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کو دنیا کے ایک بڑے حصّہ میں پہنچانے کا موجب بن گیا۔

ہمارے خاندان میں ہمارے ابّا جی محترم چوہدری فرزند علی صاحب مرحوم کے خاندان میں بھی بعض شہادتیں ہوئی ہیں اور والدہ محترمہ نجم النساء صاحبہ مرحومہ تو ایسی خوش نصیب بہشتی عورت ہیں کہ آپ کے والد محترم ماسٹر ضیاء الدین ارشد صاحب 1974ء میں شہید ہوئے اور اب بیٹا مہدی علی بھی شہید ہو گیا۔یعنی آپ کے سر پر بھی شہادت کا تاج ہے اور گود میں بھی شہادت کا نذرانہ ہے۔اے ہمارے پیارے اللہ !ان کو اپنی رحمت وقربِ خاص سے نواز۔آمین

ہمارے والد صاحب مرحوم ایک دلیر، نڈر اور بہادر زمیندار تھے۔ سچّے اور سربلند مخیّر اور غریب نواز تھے۔ کبھی کسی کے ناجائز دباؤ میں نہیں آئے۔ ہماری والدہ بھی اسی طرح بہادر، نڈر اور صبر واستقامت اور ہمت کا شاہکار تھیں۔ دن رات گھریلو اور جماعتی کاموں میں مصروف و مشغول تھیں۔ دونوں ہی تہجّد گزار اور نیکیوں میں سبقت لے جانے والے تھے۔1974ء میں میرے بڑے بھائی اشرف علی صاحب اور میرے ماموں راجہ نعیم احمد صاحب گرفتار ہو کر سرگودہا جیل میں محصور تھے۔ ہم دیکھتے تھے کہ بعض عورتیں فکر مند ہو کر ہماری والدہ سے دکھ کا اظہار کرتیں تو آپ انہیں بڑے صبر وعزم کے ساتھ کہتیں کہ وہ جماعت کی خاطر قید ہوئے ہیں اس لئے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اگر انہیں کوئی نقصان بھی پہنچتا ہے تو بھی وہ جماعت کے لئے ہے۔ پس یہ تو فخر کی بات ہے نہ کہ فکر کی۔ اس طرح آپ ایسی عورتوں کو تسلّیاں دے کر رخصت کر دیتی تھیں۔ سرگودہا جیل میں مقیّد ربوہ کے افراد سے ملنے کے لئے جانے والوں پر 16 جولائی کو سرگودہا کے اسٹیشن پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔اس قافلے میں میں بھی تھا اور ہمارے نانا جان بھی تھے۔ نانا جان کو سر پر گولی لگی اور وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ عین برستی ہوئی گولیوں میں میں اور دو مزید جوان زخمیوں کو سنبھالنے لگے۔ چنانچہ جلد ہی انہیں سیڑھیوں کی اوٹ میں چھپانے میں کامیاب ہو گئے۔اس کے بعد ہم تینوں پلیٹ فارم سے نیچے ریل کی پٹڑی پر اتر کر حملہ آوروں کی گولیوں کا جواب پتھروں سے دینے لگے۔ ہماری کوشش یہ بھی تھی کہ حملہ آور اس پلیٹ فارم پر نہ آسکیں جس پر ہمارے زخمی پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو ادھر آتا ہم اسے پتھر مار کر واپس لوٹنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ بعد میں ان زخمیوں کو سرگودہا ہی میں ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ میں ان کی دیکھ بھال اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس رات ان کے ساتھ ہسپتال میں ٹھہر گیا۔اس اثنا میں ربوہ میں طرح طرح کی خبریں اور افواہیں گردش کرنے لگیں۔ میرے بارے میں بھی مشہور ہو گیا تھا کہ مجھے بھی گولی لگی ہے۔اس ساری صورتحال میں میرے والدین کسی گھبراہٹ یا بے صبری میں مبتلا نہیں ہوئے۔ دونوں ہی آنے والوں کو تسلّیاں اور دلاسے دے رہے تھے۔ بعد ازاں جب نانا جان کی کیفیت کا والدہ کو علم ہوا تو وہ کسی جزع فزع میں مبتلا نہیں ہوئیں۔انہوں نے دعاؤں کے ساتھ بالکل معمول کے مطابق سب کام جاری رکھے۔

ہمارے نانا جان ربوہ کے مکینوں میں پہلے شہید تھے اور مہدی علی سرزمینِ ربوہ کو اپنے خون سے سیراب کرنے والے پہلے شہید ہیں۔ ہماری ماں کیسی سرخرو ماں ہے جسے اوپر نیچے یہ امتیاز عطا ہوئے۔ یہ دونوں سعادتیں ہماری خوش قسمت عظیم ماں کو نصیب ہوئی ہیں کہ اس کا باپ بھی ایک ممتاز

شہید ہوا اور سب سے لاڈلا بیٹا بھی ایک ممتاز شہید بنا۔ اے اللہ ان کی قربانیوں کو قبول فرما اور ان کے خون کو احمدیت کے لئے مفید بنا۔ میں نے اپنے والدین کو کسی مشکل میں گھبراتے نہیں دیکھا۔ ان کے نزدیک کوئی کام ایسا نہ تھا جو نہ ہو سکتا ہو۔ ہر چیلنج کو قبول کرنے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ان میں بھرپور صلاحیت اور طاقت موجود تھی۔ مہدی علی شہید انہی ماں باپ کا بیٹا تھا اور وہ بھی ان اوصاف سے پوری طرح متّصف تھا۔ ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

اے رات! ستاروں سے کہہ دے، گلشن کی بہاروں سے کہہ دے
ہم ڈرتے نہیں طوفانوں سے، موجوں کے اشاروں سے کہہ دے
آزاد کریں ہر حلقۂ شب سے، سورج کو سچائی کے
ضامن ہیں تمہاری ہستی کے، کرنوں کے اجالوں سے کہہ دے
جو دجل کی تیرہ شب میں بھی خورشید و قمر سے چمکے ہیں
دنیا کا وہ روشن مستقبل ہم ہیں اندھیاروں سے کہہ دے
تھامے ہیں محبت کا پرچم، ہم اہلِ صفا، ہم اہلِ حرم
ہر بازی تم کو مات کریں، نفرت کے ماروں سے کہہ دے
لڑ کر سب طوفانوں سے، چیر کے سب منجدھاروں کو
پہنچیں گے تم تک وعدہ ہے، ساحل سے، کناروں سے کہہ دے
پروانے شمعِ خلافت کے ہم اللہ کی رسّی تھامے ہیں
جل جاؤ گے اپنی آگ میں تم، ابلیسی شراروں سے کہہ دے
ہم صبر و رضا کے بحرِ کراں، ہم عزم و وفا کے کوہِ گراں
مٹ جاؤ گے، ہم سے الجھو تو، جا کفر کے دھاروں سے کہہ دے
ہو جائیں گے نابود جہاں سے یہ ''اُعلُ ہُبَلْ'' کہنے والے
ہے امر ''اَنا الحق'' کا نعرہ، سب جان نثاروں سے کہہ دے
سب کوہ و دمن، سب دشت و چمن، گونجیں گے ''اللہ اکبر'' سے

حق آئے گا، تم بھاگو گے، باطل کے یاروں سے کہہ دے

توحید کے پھولوں سے دیکھو دھرتی کا آنگن مہکا ہے

تم سب سے حسیں ہے یہ منظر، ان مست نظاروں سے کہہ دے

(ڈاکٹر مہدی علی چوہدری۔ کولمبس اوہایو)

مہدی علی شہید باوجود اپنی معصومیت، انکسار اور ایثار پسند طینت کے دلیر، محنت خُو اور آگے سے آگے بڑھنے والا تھا۔ اس نے والدین کی طرح محنت اور خدمت کو اپنا نصب العین بنا کر اپنی ہر صلاحیت کو چمکانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ وہ بہت بڑا اور قابل ماہرِ قلب تھا اور اپنے سینے میں بھی بہت بڑا اور وسیع دل رکھتا تھا۔ وہ دوسروں کو فوقیت دینے کا عادی تھا اور ان کے لئے ایثار کے پہلو بچھانے کی تڑپ رکھتا تھا۔ اس کی ایسی بہت سی خوبیوں نے اس کے کردار میں ایک نمایاں چمک پیدا کر دی تھی۔ یہی جذبہ تھا جو اسے حضرت مسیح موعودں کے اس شعر کا مصداق بنا چکا تھا کہ

مرا مطلوب و مقصود و تمنّا خدمتِ خلق است

ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

کہ میرا ہدف، میرا مقصود اور تمنّا خلقِ خدا کی خدمت ہے۔ یہی میرا کام ہے، یہی میرا فرض ہے، یہی میرا طریق ہے اور یہی میرا راستہ ہے۔ اس راستے پر وہ ہر تکلّف اور راہ و رسم کی پرواہ کئے بغیر انتہائی سادگی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف اور تیز گام رواں دواں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے تحت بغیر کسی تصنّع اور بناوٹ کے اس کی زندگی کا جیسے عنوان یہ تھا کہ۔

مَنِہ از بہرِ ما کرسی کہ ماموریم خدمت را

وہ کسی تعریف اور ستائش کا خواہشمند نہ تھا۔ وہ خدمت ہی کرتا تھا اور خدمت ہی کی راہوں کا راہی تھا۔ وہی اس کی زندگی کی صراطِ مستقیم تھی جس پر چلتے ہوئے اس نے ایک جست میں ہی ایک بیاباں طے کر لیا ہے۔ یہ حقیقت بھی تو کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنی موت کے بعد بھی جماعت کے لئے خدمت کا کام ہی سرانجام دیا۔ وہ دنیا کے کونے کونے میں احمدیت کے نام کو اپنے ہی رنگ میں اجاگر کر گیا۔ اللہ اس کی اس کوشش کو قبول کرے اور اس کی شہادت شجرِ احمدیت کی آبیاری میں نمایاں کردار ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے کتنا نمایاں فرق رکھا ہے گناہِ کبیرہ کے مرتکب درندے قاتل میں اور راہِ مولیٰ کے سربلند شہید میں۔ وہ قتل کر کے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ملعون ہو کر زمین دوز ہو جاتا ہے اور دنیا سے منہ چھپاتا پھرتا ہے اور یہ طائر لاہوتی دنیا کے پنجرے سے آزاد ہو کر رضائے باری تعالیٰ کی جنتوں میں مکین ہے۔ ساتھ ہی اس دنیا کے کونے کونے میں چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جس کے ساتھ لاکھوں لوگوں کی ہمدردیوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دعائیں بھی ہیں۔ اِس شہید کا کہنا کیسا سچ تھا کہ

میں پکّھی توں کیڑے وانگوں توں دھرتی اندر وڑنا ایں

میری اڈاری امبر تائیں توں پیَراں تھلّے مرنا ایں

کہ میں تو ایک پرندہ ہوں جس کی اڑان آسمانوں تک ہے اور تو ایک کیڑا ہے جو زمیں میں گھستا ہے اور پیروں تلے مرنے والا ہے۔

میں جب اپنے والدین کی شخصیتوں کو اور ان کے کردار کو دیکھتا ہوں تو ان میں جماعت اور دین کے لئے اسی جذبے اور شوقِ قربانی کو نمایاں پاتا ہوں جو ہمیشہ ہی قرونِ اولیٰ کے فدائیوں میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ صرف صحابہؓ ہی نہیں، صحابیاتؓ کے نمونے بھی دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک حیرت انگیز جانثار قوم تھی جو موت کے پیالوں میں شرابِ زندگی کے خُم پر خُم چڑھانے کے لئے ہر لحہ سربکف تھی۔ اُس دَور کی طرف نظر اٹھائیں تو ایسے کئی منظر سامنے آتے ہیں کہ اگر کسی صحابیہ کا خاوند فوت ہوتا ہے تو وہ کوئی جزع فزع کرتی دکھائی نہیں دیتی۔ بیٹے شہید ہوتے ہیں تو کوئی ماتم برپا نہیں کرتی۔ والد خدا تعالیٰ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو وہ کوئی نوحہ نہیں کرتی۔ ساری تاریخِ صحابہؓ کھنگال لیں، کوئی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا کہ کسی صحابیہؓ نے خدا تعالیٰ سے یا اس کے رسول ﷺ سے اپنے کسی عزیز ترین کی شہادت پر ایسا کوئی شکوہ کیا ہو بلکہ اس کے برعکس فدائیت کا یہ عالم تھا کہ غزوۂ اُحد میں بھاری جانی نقصان کے بعد جب صحابہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو مدینہ کے لوگ شہر سے باہر دور تک نکل آئے تھے۔ ایک انصاری صحابیہ کو اُحد سے آنے والے ایک شخص نے بتایا کہ اس کا باپ، بھائی اور خاوند سب شہید ہو گئے ہیں۔ وہ عظیم حوصلہ والی فدائی صحابیہ جو رسول اللہ ﷺ کی خیریت سننے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی بے چین ہو کر بولی ”مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہیں اور وہ سامنے تشریف لا رہے ہیں۔ جب اس کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی تو بے اختیار ہو کر بولی۔ کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ“ کہ آپؐ زندہ ہیں تو باقی تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔

یہ تو ایک مثال تھی اس پیکرِ صبر و رضا صحابیہؓ کی جس کے تقریباً سارے ظاہری سہارے اس سے چھوٹ گئے تھے مگر وہ اس اطمینان کے ساتھ گھر واپس لوٹی تھی کہ الحمدللہ رسول اللہ ﷺ تو خیریت سے ہیں۔ یہی اطمینان ان کا سب سے مضبوط اور اَٹوٹ سہارا تھا۔

پھر حضرت خنساءؓ جیسی شیر دل مائیں بھی تو تھیں جو دلیری اور جانثاری کا روشن مینار تھیں۔ حضرت خنساءؓ ایک پاکباز اور عالی نسب عورت تھیں۔ عربی زبان کی بے نظیر عالمہ اور بے مثال شاعرہ تھیں۔ حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں فارس میں جنگ قادسیہ میں اپنے شیروں جیسے چاروں بیٹوں کو خود تیار کر کے شہادت کی تمنّا کے ساتھ، ان پر پسپائی کے دروازے بند کر کے انہیں میدانِ کارزار میں بھجواتے ہوئے کہا:

”تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے اور تم نے اپنی خوشی سے ہجرت کی..... تمہیں علم ہے اس ثواب کا جو اللہ تعالیٰ نے کفّار کے ساتھ جنگ کرنے میں رکھا ہے۔ پس تم بصیرت پر قائم ہو کر کل صبح دشمن کے ساتھ لڑائی کے لئے روانہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طالب رہو“۔

حضرت خنساءؓ کی کوکھ سے جنم لینے والے یہ شیر، رسول اللہ ﷺ کے صحابی سُوئے میدانِ کارزار روانہ ہوئے اور یکے بعد دیگرے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرتے ہوئے رضائے باری تعالیٰ سے معمور ابدی جنّتوں میں جا گزین ہو گئے۔ حضرت خنساءؓ کو جب ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک شانِ مومنانہ کے ساتھ پُراعتماد لہجے میں فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنِیْ بِقَتْلِھِمْ وَ اَرْجُوْا مِنْ رَبِّی اَنْ یَّجْمَعَنِی بِھِمْ فِی مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِہٖ''

الحمدللہ کہ اس نے مجھے ان کی شہادت سے مشرّف فرمایا ہے اور مجھے اپنے ربّ سے امید ہے کہ وہ مجھے ان کے ساتھ اپنے جوارِ رحمت میں اکٹھا کرے گا۔

میں سوچتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کی قربانیوں کے حوالے کس تفصیل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے صحابہ اور صحابیات کے ساتھ ملتے ہیں۔

عزیزم مہدی علی شہید نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ربوہ سے باہر چلے جانے کے بعد اپنے دلیر والدین کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گزارا تھا اور اب شہادت کے بعد بھی وہ سب سے پہلے ان کے پاس پہنچ کر ضرور ان کے ساتھ جوارِ رحمت میں باغِ رضوان میں ہوگا۔ انہوں نے ہی تو اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی تھی۔

مہدی علی شہید والدین کا وہ بیٹا تھا جس نے والد صاحب کی علالت کے آخری دنوں میں ان کی دن رات خدمت کی۔ وفات سے قبل جب وہ چند ماہ کے لئے چلنے سے معذور ہو گئے تھے تو مہدی شہید ہی ربوہ میں ان کے پاس تھا جو اُن کی جملہ ضروریات و حاجات کی نگہداشت کرتا تھا اور ادویہ و علاج وغیرہ کا پورا خیال رکھتا تھا۔ دوسرے بھائی جو ربوہ میں تھے وہ بھی ان کی خدمت کرتے تھے مگر مہدی علی شہید ان کے ساتھ رہتا تھا اور سب سے زیادہ ان کی خدمت کی توفیق پاتا تھا۔ ہماری والدہ مرحومہ کو جب ٹوارنٹو میں دل کا حملہ ہوا تو مہدی علی شہید نے ان کی دیکھ بھال میں بھی دوسرے بھائیوں کے ساتھ خدمت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

جب تک مومنوں کی جماعت میں، جماعت احمدیہ میں ایسے والدین موجود رہیں گے اور ایسی اولادیں پیدا ہوتی رہیں گی، جماعتِ احمدیہ کسی شکست کا تو کیا ایک ذرّہ برابر مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتی۔ یہ علامتیں نبیوں کی جماعتوں کی امتیازی علامتیں ہیں اور یہ کردار ان کی جماعتوں کے نمایاں کردار ہیں۔ انشاءاللہ قیامت تک دین کے ایسے عاشق والدین بھی ہوتے رہیں گے اور راہِ مولیٰ میں فدا ہونے والی ایسی اولادیں بھی۔

نبیوں پر ایمان لانے والے جب ایمان کی آہنی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس بنیاد سے ہلا نہیں سکتی خواہ انہیں مصائب کی چکی میں پیس ہی کیوں نہ ڈالا جائے، ان کے پائے استقلال میں ایک ذرّہ برابر بھی لغزش نہیں آتی۔

ظالم تو اپنی نام نہاد ظاہری طاقت کے بل بوتے پر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مومنوں کو ظلم و تعدّی کے ذریعہ ان کے ایمان سے ہٹا دے گا۔ وہ ظلم کرتا ہے، مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو اس پر بھنّا جاتا ہے، لہٰذا مزید تشدّد کرتا ہے۔ لیکن اس دفعہ بھی اس کا تشدّد ہار جاتا ہے۔ اس کی پہنچ مومنوں کے صبر و ثبات کی بلندی کو چھو بھی نہیں سکتی۔ پھر وہ سٹپٹا کر مزید شدید ظلم تراشتا ہے مگر مومنوں کے ضبط و استقلال کی اونچائی مزید بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ اِدھر ظلم بڑھتا ہے تو اُدھر استقامت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی کشمکش میں، اسی جدّ و جہد میں، اسی دوڑ کے عالم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ کہ انجام کار مومن اور متقی ہی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ فتح اور غلبے کا الٰہی وعدہ اپنی پوری شان، چمک اور آب و تاب کے ساتھ مومنوں کے حق میں پورا ہوتا ہے۔

ان مصائب و آفات میں اگر ایک مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے پوری جماعتِ مومنین کے دل بھی تڑپ اٹھتے ہیں مگر ان کا شعار، جیسا کہ حضرت مسیح پاک نے فرمایا، یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ربّ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے صبر و ثبات کے لئے مزید دعائیں کرتے ہیں۔

عدّو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

وہ اپنے ربّ میں مزید جذب ہوتے ہیں، وہ اس میں مزید ڈوب جاتے ہیں اور اس سے اپنے زیرِ ظلم بھائیوں کے لئے رحمت و بخشش کی التجائیں کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قرب ایک طاقت ہے جو انہیں ابتلاؤں اور امتحانوں کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا ہوتا ہے جس کے سہارے ان کا ہر قدم جدّوجہد اور ترقی کی طرف اٹھتا ہے اور آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی جماعت کے لئے دشمن کی مخالفت اور عداوت میں بھی خیر کا ایک پہلو رکھ دیتا ہے۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''محبت اور عقیدت کی توجہ تو ایک جدا امر ہے مگر عداوت کی توجہ بھی بے فائدہ نہیں ہوتی بلکہ مفید ہوتی ہے۔ دیکھو آنحضرت ﷺ کے مکّہ کے زمانے میں آپؐ کے مقابل میں محبت اور عقیدت کی توجہ تو نہایت ہی کم بلکہ کچھ بھی نہ تھی مگر عداوت کی توجہ کامل طور سے تھی اور آخر یہی عداوت کی توجہ آپؐ کی عام لوگوں اور عرب کے کناروں میں شہرت پہنچانے کا باعث ہو گئی۔ ورنہ آپؐ کے پاس اس وقت اور کیا ذریعہ تھا جو اپنی دعوت کو اس طرح شائع کرتے۔ آپؐ کے واسطے اس وقت تبلیغ کا پہنچانا نہایت مشکل کام تھا مگر خدا تعالیٰ نے یہ کام کیا کہ دشمنوں ہی کے ہاتھوں سے ایسا کر دیا''۔ (الحکم 10؍اپریل 1902ء)

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے اس حقیقت افروز بیان کی روشنی میں صحابہؓ کے صبر و استقلال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی قربانی پیش کرنے میں یا کسی بھی بڑے سے بڑے امتحان میں سے گزرنے میں انہیں کبھی کوئی تردّد نہ ہوا۔ ان آزمائشوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے سے آگے ہی بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودوں کی جماعت بھی اپنے اندر بعینہٖ یہی روح رکھتی ہے۔ اس کا ایک مظہر ہمارا بھائی مہدی علی شہید بھی ہے۔ اس کی اس قربانی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 30 مئی 2014ء میں فرمایا:

''یہ شہید تو اپنی زندگی میں بھی کامیابیاں دیکھتا رہا اور مخلوق خدا کی خدمت کرتا رہا اور موت بھی ایسی پائی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے دائمی زندگی دے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس پیارے بھائی کو جنت میں اعلیٰ درجے عطا فرمائے۔ لحہ لحہ ان کے درجات کی بلندی ہوتی رہے اور اپنے پیاروں کے قدموں میں اسے جگہ دے۔ ان کے بیوی بچوں کو بھی اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ڈاکٹر صاحب شہید کی تمام نیک خواہشات اور دعائیں جو انہوں نے اپنے بچوں کے لئے کیں، انہیں قبول فرمائے۔''

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی عبدالرحمٰن اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید رضی اللہ عنہما کی شہادتوں کے ذکر کے بعد فرمایا تھا کہ

''اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔

"(تذکرۃ الشہادتین۔روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۱)

اب تک شہادتوں کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے آپؑ کی خدمت میں انتہائی عجز اور اعتماد کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کے پاک مسیح! آپ کی جماعت میں آپ کی تعلیم کے طفیل قرآن پاک کے ذکر " وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْم" پر دل وجان سے عمل کرنے والے کثرت سے موجود ہیں۔وہ آپ کی آواز پر عزم،استقامت اور صبر واستقلال کے ویسے نمونے دکھانے کے لئے مستعد کھڑے ہیں جو آپ ان سے توقع رکھتے ہیں۔

"فَمِنْهُم مَّن قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ" (الاحزاب:24)

کہ ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی باری پوری کر چکے ہیں اور وہ بھی ہیں جو ابھی اپنی باری کے منتظر ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوٹ از ایڈیٹر: ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید خاندان کے دسویں شہید ہیں۔ان سے قبل درج ذیل شہادتیں ہوئیں:

-	مکرم ماسٹر ضیاءالدین ارشد صاحب شہید۔	ربوہ
۲۔	مکرم چوہدری عبدالرزاق صاحب شہید۔	بھریا روڈ سندھ
۳۔	مکرم چوہدری عبدالحمید صاحب شہید۔	محراب پور سندھ
۴۔	عزیزم ولید احمد صاحب شہید۔	لاہور
۵۔	مکرم شیخ محمد اکرام صاحب شہید۔	لاہور
۶۔	عزیزم شیخ ندیم احمد طارق صاحب شہید۔	لاہور
۷۔	مکرم اشرف پرویز صاحب شہید۔	فیصل آباد
۸۔	مکرم مسعود جاوید صاحب شہید۔	فیصل آباد
۹۔	عزیزم آصف مسعود صاحب شہید۔	فیصل آباد
۱۰۔	مکرم ڈاکٹر مہدی علی بشیر الدین قمر شہید	ربوہ۔کولمبس اوہایو ۔

شہدا کے یہ نام محترم ہادی علی چوہدری صاحب نے بھجوائے ہیں

مندرجہ ذیل دو نظمیں ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید نے جو مورخہ 26 مئی 2014 کو ربوہ میں شہید ہوئے 28 اپریل کو لندن میں اپنے دوستوں کی محفل میں اپنی شہادت سے چار ہفتے قبل سنائیں۔

اے کاش کہ ایسا ہو

اس شام جدائی میں

کھویا ہوا اک لمحہ

چپکے سے پلٹ آئے

بے جان سی پلکوں پہ

ٹھہرا ہوا اک آنسو

اس درد کی سولی سے

پل بھر کو اتر آئے

پھیلے ہوئے دامن میں

دے جائے سخی کوئی

خیرات محبت کی

اے کاش کہ ایسا ہو

اس شام جدائی میں

پل بھر کو سہی لیکن

کچھ دیر تو آ جائے

اے کاش کہ ایسا ہو

توں کی جانے میں کون

تیرے پنجائے بھانبڑ دے وچ

اساں کٹھیاں بلنا اے

توں لکڑ میں سوناوَیریا

توں کولا میں کندن بننا اے

میں امرت تُوں زہر ویریا

اساں جیہڑا پیالہ بھرنا اے

مینوں پیون والے جیون

جس تینوں پینا مرنا اے

توں کی جانے میں کون

میں پکھی تو کیڑے وانگوں

دھرتی اندر وڑنا اے

میری اڈاری عنبر تائیں

توں پیراں تھلے مرنا اے

برف دے بپھرے ھڑ دے اندر

توں ڈبنا میں ترنا اے

جس تے رب دی مہر ویریا

اہو دا مقدر سرنا اے

”بیچ سب تاروں کے تُو چمکا کہ جیسے ہو قمر“ (مہدی)

(ثمینہ ارائیں اہلیہ مجیب الرحمٰن ملک ورجینیا)

3 ستمبر 1963ء کی ایک خوبصورت صبح تھی۔گھر کا سبز گیٹ ہمیشہ کی طرح اپنی بانہیں پھیلائے ہر آنے جانے والے رشتہ داروں، ضرورت مندوں، بیماروں، غریبوں، بزرگوں اور جماعتی تقریبات کے لئے کھلا تھا۔دارالرحمت غربی کی ایک کھلی سڑک کے کنارے پر بنا ہوا یہ خوبصورت مکان جس کے اطراف میں خوبصورت پھولدار اور پھلدار درخت سجے تھے اس کے اندر اس کا آنگن بھی خدا کے بندوں سے اسی طرح سجا رہتا تھا اور یہ دیوار و دَر ہر آنے والے کو پیار و شفقت اور خندہ پیشانی سے اپنے اندر سمیٹ لیتے تھے....آج اس گھر میں خوشی کا ایک سماں تھا...گھر کے آنگن میں ایک چاند اترا تھا..... جس کی روشنی سے یہ گھر اور بھی چمک اٹھا تھا۔

میرا پیارا بھائی مہدی ہم تیرہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔جب میں نے ہوش سنبھالا تو اندازہ ہوا کہ اس کا نام کچھ زیادہ ہی لمبا ہے۔جب اس سے نام پوچھتے تو اس چھوٹے سے بچے کے لئے ایک امتحان ہوتا تھا۔اپنی میٹھی سی توتلی زبان میں ”مہدی علی بشیر الدین قمر“ وہ جس انداز سے بولتا سب اس سے محظوظ ہوتے۔پھر وہ اپنے نام کے ساتھ آخر میں ”احمدی بچہ“ بھی لگا دیتا تھا۔

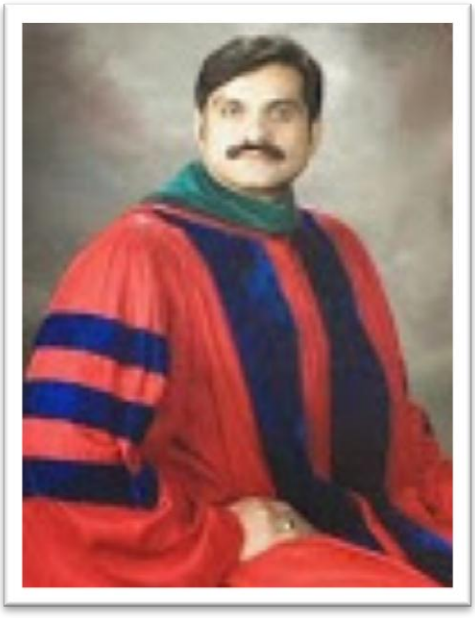

مہدی علی بشیر الدین قمر صاحب شہید

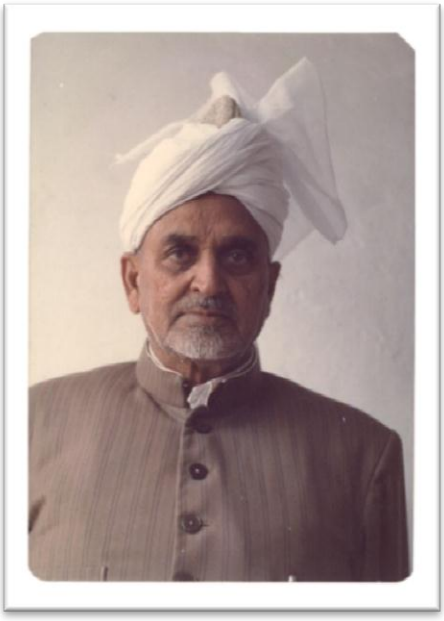

چوہدری فرزند علی صاحب

”مہدی علی“ نام تو شاید ہمارے والدین نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا مگر باقی نام کے پس پردہ ہماری امی کا ایک خواب تھا جو انہوں نے مہدی کی پیدائش سے قبل دیکھا تھا...دیکھا کہ ایک چاند ڈوب رہا ہے اور دوسرا طلوع ہو رہا ہے۔چنانچہ ایک رات یہ خبر سنی کہ حضرت مرزا بشیر احمد (قمر الانبیاء) وفات پا گئے ہیں اور پھر اگلی صبح مہدی پیدا ہوا۔امی نے چونکہ خواب میں چاند دیکھا تھا تو اسی وجہ سے اس کا آخری نام قمر رکھ دیا گیا اور پھر ہمارے نانا جان نے اس کا درمیانی نام بشیر الدین رکھ دیا۔

مجھے اس خواب کا خیال بہت دفعہ آتا رہا کہ اس کی تعبیر کیا ہوئی اور اس کی کیا برکت تھی.....اور اس کی تعبیر مجھے ہر بار یہی نظر آتی کہ مہدی تو ایسا تھا جیسے پیدا ہوتے ہی عالم تھا۔ بچپن سے ہی اس میں غیر معمولی ذہانت اور عالمانہ صلاحیتیں تھیں۔

کیونکہ ہم اوپر نیچے کے بہن بھائی تھے اور عمر میں مجھ سے قریب ہونے کی وجہ سے اس کے بچپن اور لڑکپن کا خوبصورت وقت ہم دونوں بہنوں کے ساتھ اکٹھا گزرا۔ باقی بھائی بڑے تھے اس لئے اس کی مجبوری تھی کہ وہ مجھ سے زیادہ قریب تھا۔ مجھ سے بڑی بہن زیادہ سمجھدار اور سنجیدہ تھی اس وجہ سے ہماری مشغولیات میں کم شامل ہوتی بلکہ اگر لڑائی ہو جاتی تو وہ مہدی کی طرفداری کرتی۔ ہمارا سارا وقت اکٹھے کھیلتے گزرتا۔ کرکٹ، آنکھ مچولی، لڈو، کیرم بورڈ، بیڈمنٹن اور اسے میرے ساتھ گڑیوں کے گھر بھی بنانے پڑتے۔ صرف ایک مسئلہ تھا کہ وہ بہت خاموش اور معصوم شکل تھا۔ لڑنے میں کیونکہ آواز صرف میری ہی سنائی دیتی تو قصور بھی میرا ہی نکلتا تھا..... مہدی کبھی جھگڑے میں نہیں پڑتا تھا..... میں اس پر بھی ناراض ہوتی کہ گھر میں سب چھوٹے بڑے اس کی طرفداری کرتے تھے.....اکثر ہماری لڑائی کی وجہ بھی کتابیں ہی ہوتی تھیں۔ ہمارے گھر میں کچھ اخبار اور رسالے باقاعدگی سے آتے تھے۔ جب وہ آتے تو ایک مشکل پیدا ہو جاتی..... جس کے ہاتھ میں آتا وہ لے کر بھاگتا۔ اگر کسی بڑے کی نظر پڑتی تو وہ مہدی ہی کی طرفداری کرتا۔ گھر میں سب بڑے بہن بھائی تھے۔ ان کے کورس کی کتابیں تک بھی ہم پڑھ لیتے تھے۔ اسی طرح ایک بار ہم دونوں میں ایسا باہمی سمجھوتہ ہوا کہ لائبریری بناتے ہیں۔ اسی بہانے کتابیں خریدنے کا موقع ملا۔ جتنی کتابیں خریدیں، دن رات بیٹھ کر پڑھ لیں۔ امی نے اس کے لئے ایک الماری بنوا کر دی اور اس کا نام ہم نے ''ملت لائبریری'' رکھا.... انجام اس لائبریری کا اچھا نہ ہوا کیونکہ جس نے کتابیں لیں، واپس نہ کیں۔ مہدی امی کا بہت لاڈلا تھا۔ برفی اسے بہت پسند تھی۔ امی ہمیشہ اس کے لئے منگوا کر رکھتی تھیں اور جو کھانے اسے پسند تھے وہ خاص طور پر اس کے لئے بناتی تھیں۔

ہمارے والد محترم چوہدری فرزند علی صاحب ایک معروف زمیندار اور ربوہ کے ابتدائی لوگوں میں سے تھے جہاں انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے غالباً 1950ء یا 1951ء میں زمینیں خریدیں اور کارخانے لگائے۔ محلّہ دارالصدر میں پکی اینٹوں سے بنایا جانے والا سب سے پہلا گھر اُن کا تھا جس میں باقاعدہ جماعتی طور پر نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا تھا۔ بسا اوقات جمعہ بھی وہاں پڑھا جاتا تھا۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ ایک دو سال جلسہ سالانہ کا کھانا بھی وہیں پکایا گیا تھا۔ اس محلّہ میں پانی کڑوا ہونے کی وجہ سے۔ پھر انہوں نے اپنا گھر محلّہ دارالرحمت غربی میں تعمیر کروایا۔ بہت بڑے زمیندار آدمی ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں بہت عاجزی اور انکساری تھی۔ انہوں نے کئی بنجر علاقوں میں گاؤں آباد کئے۔ ساتھ ساتھ یونانی طریقۂ علاج اور حکمت میں بھی ماہر تھے۔ ہاتھ میں شفا تھی اس وجہ سے دور دور سے بھی لوگ علاج کے لئے آتے تھے اور دنوں کے لئے ہمارے گھر میں ٹھہر جاتے تھے۔ مہمان نوازی، غریبوں کی مدد کے ساتھ ساتھ بہت سے ضرورت مندوں کو قرضۂ حسنہ بھی دیتے اور طبّی امداد، دوائیاں اور مفت انجکشن لگانے کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ جماعت اور خلیفۂ وقت کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی اور ان کی ہر آواز پر لبّیک کہتے ہوئے ہر مالی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے۔ اچھی اور شستہ زبان بولتے، کبھی غصّہ میں آواز بلند نہیں کی بلکہ کچھ دیر کے لئے خاموشی اختیار کر لیتے تو پتہ چلتا کہ غصّہ میں ہیں اس لئے ان کی چھوٹی سی سرزنش کا بھی بہت اثر ہوتا تھا۔ ان کی زندگی کا لائحۂ عمل قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْداً تھا اور انہیں جھوٹ سے سخت نفرت تھی جس کی سزا بھی دی جاتی تھی۔

ہماری امی نجم النساء بیگم کی زندگی ایثار و وفا، قربانیوں اور عزم و ہمت کی مثال تھی۔ ایسے بے لوث، باہمت اور بہادر لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ ان پر لکھنے بیٹھوں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہ انہوں نے ہمیشہ ہمیں محبت، ایثار، انصاف اور عاجزی کا سبق سکھایا۔ اسلام احمدیت کے لئے عملی طور پر گہری محبت کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا۔ ان دونوں کی زندگی کا مقصد سلسلہ عالیہ احمدیہ اور انسانیت کی خدمت تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ایک مشن چل رہا ہے جس میں کام کرتے چلے جانا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی کام ناممکن نہیں تھا اور ہمیں ہمت دلاتی تھیں کہ اگر ایک مشکل کام کوئی دوسرا کر سکتا ہے تو تمہارے لئے بھی وہ کام کرنا مشکل نہیں۔

ہمارے گھر میں ایک بہت بڑی برکت قرآن مجید کی تھی۔ سارا دن گھر میں بچے قرآن اور عورتیں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لئے آتی رہتیں۔ امی دن میں کام کرتے ہوئے بھی قرآن مجید ساتھ ساتھ یاد کرتی رہتیں..... بہت خوبصورت آواز میں تلاوت کرتیں اور اسی پیاری آواز سے ہماری صبح ہوتی۔ ہر جلسہ پر ان کی تلاوت رکھی جاتی تھی۔ امی، ابّا جی دونوں تہجّد کی نماز پڑھنے کے بعد بچوں اور روزمرّہ کے مسائل پر بات چیت کرتے اور صبح کی نماز کے بعد امی کافی دیر تک تلاوت قرآن مجید کرتیں۔ ہم دونوں بہنوں اور مہدی کا کمرہ ساتھ والا تھا اور ہمیشہ تلاوت کی پیاری آواز سے ہماری صبح ہوتی تھی۔ اس کے بعد پھر امی سارے دن کے لئے انتظامات شروع کر دیتیں۔ خاص طور پر ابّا جی کا کھانا بہت سلیقہ سے سفید میز پوش بچھا کر اچھے برتن ٹرے میں لگا کر دیا جاتا تھا۔ دراصل وہ ادب آداب اور رکھ رکھاؤ سکھانے کے لئے ایسا کر رہی ہوتی تھیں جس کے نتیجہ میں ہم بھی بڑوں کی خدمت کے لئے مستعد رہتے تھے۔ ہمارا گھرانہ رشتوں کے لحاظ اور ان کے ادب و احترام کی وجہ سے ایک مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں میاں بیوی کے حقوق، ماں باپ کی عزت و احترام کے ساتھ ساتھ اولاد کی تعلیم و تربیت اس حدیث اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَ اَحْسِنُوْا اَدَبَھُمْ کے مصداق تھی۔

صبح کا منظر بھی عجیب ہوتا۔ ہمارے گھر میں کئی لوگ لسّی لینے کے لئے لائن میں ہوتے۔ دہی، لسّی اور مکھن روزانہ تقسیم ہوتا۔ زمیندار گھرانہ تھا۔ سارے نوکروں اور زمینوں پر کام کرنے والوں کے کھانے کا انتظام بھی گھر میں ہوتا۔ اس کی پوری ذمہ داری امی کے ہاتھ میں تھی اور پھر وقت بے وقت بعض ضرورت مند لوگ گھر پر آجاتے جن کے لئے کھانے کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا۔ بہت ہی حکمتِ عملی سے ضرورت کے مطابق سب کچھ مہیّا کر دیتیں اور احساس بھی نہ ہونے دیتیں کہ کھانا نہیں تھا اور پھر کچھ خدا تعالیٰ بھی اس میں برکت ڈال دیتا تھا۔ ان میں حکمت، دانائی اور فراست تھی کہ پورے محلّے کے جھگڑوں کے فیصلے بھی ہمارے گھر میں ہوتے تھے۔ امر بالمعروف کی مثال تھیں کہ اگر محلّے یا خاندان میں کسی کی تربیت کا مسئلہ ہوتا تو لوگ امی کو بلاتے اور اگر خاندان میں کسی کو کسی بھی قسم کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو ہمیشہ امی سے ہی رابطہ کرتا تھا۔ محلّے کے لجنہ و ناصرات کے اجلاس اور دیگر تقریبات بھی ہمارے گھر میں ہوتی تھیں جن کا سارا انتظام وہ خود کرواتیں۔ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا اپنے گھر میں اجلاسات اور جماعتی تقریبات ہوتے ہی دیکھا۔ 32 سال تک لجنہ کی صدر رہیں۔ خود بہت بے لوث تھیں۔ کہا کرتی تھیں "میرا دل تو غنی ہو گیا ہے، کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔

وہ ایک نفسِ مطمئنہ پا چکی تھیں اور اس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں دنیا کی کسی چیز سے غرض نہیں رہتی۔ اپنی زندگی ایک مجاہدہ کی طرح گزاری اور دوسروں کے لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے اپنے راستہ میں آنے والی مشکلات کی بھی پرواہ نہ کی۔ ہم جب کسی چیز کے لئے ضد کرتے تو یہ شعر پڑھتیں جس کی وہ خود ایک جیتی جاگتی مثال تھیں کہ

ہمیشہ نفسِ امّارہ کی باگیں تھام کر رکھیو
گرادے گا تمہیں ورنہ یہ ظالم سیخ پا ہو کر

لغو مشغلوں کو دونوں ناپسند کرتے مگر فنونِ لطیفہ سے خاص لگاؤ تھا۔ابّاجی تو شاعری بھی کرتے تھے اگر کبھی امی کو غصّہ آجاتا تو کوئی مزاحیہ نظم ان پر لکھ دیتے اور بات مذاق میں ہی ختم ہو جاتی۔ مہدی ایک بار گیند سے کھیل رہا تھا کہ گیند پانی میں گر گیا اور گندے پانی کے چھینٹے ابّاجی کی سفید پگڑی پر پڑ گئے جو کہ خشک ہونے کے لئے صحن میں لٹک رہی تھی ابّاجی جب گھر آئے تو بجائے ناراض ہونے کے انہوں نے اس پر ایک نظم کہہ ڈالی۔ ہمارے بڑے بھائی ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں کیلیگرافی سکھاتے، ہم ڈرائنگ کرتے، ٹکٹیں جمع کرتے، پینٹنگز بناتے، پھول لگاتے، بیت بازی اور آپس میں ہی چھوٹے چھوٹے کوئز پر و گرامز کرتے۔ فارغ رہنا انہیں پسند نہیں تھا۔امی کہتی تھیں کہ فارغ دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ ہمارے ان مشاغل کو وہ اہمیت دیتے، Accomplish کرنے پر تعریف کرتے اور انعام ضرور دیتے۔ پڑھائی کے لئے سختی ہوتی اور اگر اوّل سے کم پوزیشن ہوتی تو قدر نہ ہوتی۔ سکول کالج کے زمانے میں ہم ٹی وی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ پڑھائی کا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد انہوں نے ٹی وی دیکھنا شروع کیا۔

مہدی کے متعلق لکھنے کے لئے مجھے یہ سب ذکر اس لئے کرنا پڑا کہ وہ خوش قسمت تھا کہ ماں باپ نے جو ماحول اسے دیا وہ مثالی تھا۔اس کی زندگی پر اس کا گہرا اثر تھا۔ابّاجی کی صحبت میں بہت رہتا تھا اس وجہ سے وہ اخبار پڑھنے کی کوشش کرتا اور چار سال کی عمر میں ہی اخبار پڑھ لیتا تھا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اسے ابّاجی کے ساتھ پانچوں نمازوں کے لئے مسجد جاتے دیکھا..... ہمارے بڑے بھائی بعض دفعہ صبح کی نماز پر باوجود اٹھانے کے نہیں اُٹھتے تھے۔ مہدی جب دیکھتا کہ وہ نہیں اُٹھے تو جا کر انہیں جگاتا اور نماز کے لئے جانے پر اصرار کرتا تو کبھی کبھی وہ اسے بھی کھینچ کر بستر میں لٹا لیتے کہ تم بھی سو جاؤ..... وہ پوری کوشش کر کے اپنے آپ کو بھائی کی گرفت سے چھڑاتا اور اپنے پیارے سے لہجے میں کہتا "مجھے تو چھوڑو، مجھے تو چھوڑو، نماز کو دیر ہو رہی ہے"۔

شام کو کھانے کے بعد ہمارے بڑے بہن بھائی اور ان کے بچے سب اکٹھے ہو کر ابّاجی کے پاس آجاتے۔ان کے لئے سوتیلے کا لفظ ہم نے کبھی نہیں سنا تھا اور بڑے ہونے تک ہمیں پتہ نہیں تھا کہ وہ سوتیلے ہیں۔ سب میں ایسی محبت تھی جیسے ایک ماں کے بچے ہوتے ہیں۔امی کو ان کا نام بہت پیار سے لیتے سنتے تھے اور اب بھی ان سے محبت اسی طرح ہے۔ پھر جب جائیداد کو بانٹنے کا وقت آیا تو سب معاملات عزّت و احترام اور باہمی سمجھوتے سے طے پائے۔اپنی زندگی میں ہی انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے سب بچوں کے حصّے ان کے نام کر دیئے اور سب بچوں نے بھی اس کا احترام کرتے ہوئے اسے دل سے قبول کر لیا اور ان دونوں کی وفات کے بعد بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔

مہدی کو پیدا ہوتے ہی ایک بہت بڑا خاندان ملا جس میں ان بہن بھائیوں کے بچے کم و بیش اس کی عمر کے تھے۔ سب اکٹھے ہوتے، ابّاجی قصّے کہانیاں سناتے، کچھ ابّاجی کے پاؤں دباتے اور مہدی ابّاجی کے ساتھ گھس کر بیٹھا طرح طرح کے سوال ان سے کرتا ہی رہتا کہ وہ بھی تنگ آکر ایسے جواب دیتے۔ پوچھتا: ابّاجی پاکستان کیسے بنا؟ ابّاجی جواب دیتے، قائدِ اعظم جانے بیٹا۔ پھر پوچھتا: ابّاجی جو دریا کھودتے ہوں گے انہیں کتنی مشکل ہوتی ہو گی۔

توابّا جی کہتے، اللہ جانے بیٹا۔ پھر کہتا کہ جو دریا میں پانی بھرتا ہوگا وہ کتنا تھک جاتا ہوگا۔ توابّا جی جواب دیتے مولا جانے بیٹا۔ اسی طرح سوالوں کا لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا جس کی وجہ سے ہم نے اس کا نام '' سوالیہ نشان '' رکھا ہوا تھا۔

گھر میں ہم چھوٹے بہن بھائی اردو اور باقی سب پنجابی زبان بولتے تھے۔ اس کا مطالعہ بچپن ہی سے بہت وسیع تھا اور اس کو اردو، پنجابی، عربی زبان اور انگلش ادب پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی مصروفیات کا یہ عالم ہوتا کہ اطفال کے مقابلوں کی تیاری، سکول کا کام، وقارِ عمل اور صبح صبح صَلِّ عَلیٰ کے لئے جانا۔ ساتھ ساتھ کوئی اٹھارہ یا بیس کے قریب ہمارے کزنز اور بھائیوں اور بہنوں کے بچے جو ہمارے ہم عمر یا کچھ ہم سے چھوٹے بڑے تھے، اکثر ہمارے گھر میں اکٹھے ہوتے۔ زمینوں سے جب بھی بہت بڑی مقدار میں چیزیں آتیں تو امی سب کو بلا لیتیں۔ پھر گھر کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا حصہ تھا جسے حویلی کہتے تھے اس میں ایک طرح کا فارم بنا رکھا تھا جس میں مرغیاں اور بھینسیں وغیرہ تھیں۔ وہاں بہت بڑی آگ جلا کر اس میں مکئی کے بھٹّے بھون کر کھاتے تھے اور بھی طرح طرح کے اناج، سبزیاں اور پھل آتے جن میں سے ایک حصّہ ہمسایوں میں بھی تقسیم کیا جاتا۔ سب بچے ہمارے گھر میں جمع ہوتے۔ کھیلوں میں بھاگ دوڑ کے ساتھ ساتھ سکول سکول کھیلتے، کبھی اجلاس کر رہے ہوتے یا بیت بازی بھی کرتے اور بیٹھ کر نظمیں یاد کرتے رہتے۔ امی کا رعب اور کنٹرول سب پر تھا اور سب کے ماں باپ کی طرف سے انہیں سرزنش کی بھی اجازت تھی۔ ان سب مصروفیات کے باوجود وہ ہمارے اخلاق کی نگرانی، نمازوں کی پابندی اور دوستوں کے انتخاب پر کڑی نظر رکھتی تھیں۔ اور ایک نگران کی طرح اپنے ماں ہونے کا فریضہ کماحقّہٗ ادا کرتیں۔

ایک بار مہدی کوئی 9 یا 10 سال کا ہوگا۔ وہ یہ شعر بڑی اچھی آواز میں محویت کے ساتھ پڑھ رہا تھا

میں مریضِ مصطفیٰ ہوں مجھے چھیڑو نہ طبیبو
میری زندگی جو چاہو مجھے لے چلو مدینہ

سب ہنسنے لگے کہ اس کے چھوٹے سے منہ سے یہ بڑی بات لگ رہی تھی۔ لیکن بالآخر کیا ہوا کہ ربوہ جو مدینہ سے ایک مماثلت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر مہدی کو کشاں کشاں امریکہ سے اس مدینہ لے گئی جہاں اس کے بچپن کی معصوم صدائیں گروی پڑی تھیں۔ چنانچہ اسی جگہ اس کی جان نذرِ خدا اور فدائے مصطفیٰ ﷺ ہو گئی۔

بہر حال یہ تو تھا گھر کا ماحول جس نے ہمارے لئے غیر معمولی دینی و دنیوی ترقی کی راہیں ہموار کیں اور انسانیت سے ہمدردی کا درس دیا۔ مگر ایک بڑی خوش قسمتی جو ہم بچوں کی تھی خاص طور پر لڑکوں کی کہ ہمارے گھر کے آس پاس بہت ہی کم فاصلے پر ربوہ کے بہت بڑے بڑے علماء اور بزرگ رہا کرتے تھے جس کا وہاں کے ماحول پر بہت اثر تھا۔ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ اور ہمارے گھر کی دیوار ایک تھی۔ گو کہ وہ ہمارے ہوش سنبھالنے سے پہلے وفات پا چکے تھے مگر وہ برکتیں اور ان دعاؤں کا سایہ ہمیشہ اپنے گھر پر دیکھا۔ علاوہ ازیں مولانا ابولعطاء جالندھری صاحب، مولانا نذیر احمد مبشر صاحب، مولانا عبداللطیف بہاولپوری صاحب، مولانا ابولمنیر نورالحق صاحب، مولانا اسمٰعیل دیالگڑھی صاحب، حاجی محمد فاضل صاحب، گیانی عباداللہ صاحب، مرزا منظور احمد صاحب، مولوی محمد دین صاحب، مسعود دہلوی صاحب اور صوفی بشارت الرحمٰن صاحب بھی اسی مسجد

میں نماز کے لئے جاتے تھے جہاں مہدی جاتا تھا۔ ہر نماز کے پہلے اور بعد بعض بزرگ ہمارے گھر کے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم بھاگ کر انہیں سلام کرنے کے لئے جاتے تھے۔ حضرت حافظ روشن علیؓ صحابی حضرت مسیحِ موعودؑ کی اہلیہ محترمہ استانی مریم صاحبہؓ جو کہ خود بھی صحابیہ تھیں، ان سے ہم سب بہن بھائیوں نے قرآنِ مجید پڑھا۔ یعنی بچپن سے ہی صحبتِ صالحین اسے حاصل تھی۔

بچپن تو اس طرح گزرا اور مہدی نمایاں کامیابیاں حاصل کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں زندگی کے فیصلوں کا وقت تھا۔ مہدی نے امی، ابّاجی کی خواہش پر میڈیکل لائن میں جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایف۔ایس۔سی تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے کی اور میڈیکل کالج جانے کی صرف ایک ہی Choice تھی کہ وہ فیصل آباد میڈیکل کالج جاتا تاکہ وہاں سے روزانہ گھر آسکے۔ یہ وہ وقت تھا جب سب بچے گھر سے جا چکے تھے۔ مہدی میڈیکل کالج کی پڑھائی کے ساتھ گھر کے معاملات میں امی ابّاجی کی مدد کرتا اور جب بھی بڑے بہن بھائی بچوں کے ساتھ واپس آتے تو رونق کے ساتھ ساتھ اس کی پڑھائی کا بھی حرج ہوتا تھا۔ ابّاجی کی صحت اور کمزور ہوتی گئی اس لئے اس نے ہاؤس جاب بھی فضلِ عمر ہسپتال میں کیا اور اس وجہ سے اس کے دل میں اہلِ ربوہ کے لئے ایک خاص محبت پیدا ہو گئی۔

وہ پڑھائی کے دوران طرح طرح کے فلاحی کاموں میں لگا رہتا تھا۔ خدمتِ خلق کا جنون تھا۔ اس میں ایک بہت بڑی Accomplishment جو تھی وہ ربوہ میں بلڈ بنک کا قیام ہے۔ میرا امریکہ سے پاکستان جانا تقریباً ہر سال ہی ہوتا تھا۔ غالباً 1986ء یا 1987ء کی بات ہو گی کہ اس نے بتایا کہ وہ کس طرح کوشش کر رہا ہے کہ ربوہ میں ایسا انتظام ہو جائے کہ ضرورت مندوں کو وقت پر خون مل سکے۔ اس کے بہت اچھے دوست ڈاکٹر سلطان مبشر صاحب نے بتایا کہ وہ دونوں میڈیکل کالج میں تھے جب یہ خیال آیا اور انہوں نے عملی قدم اٹھاتے ہوئے ربوہ میں جگہ جگہ کیمپ لگائے تاکہ خدّام کے بلڈ گروپس کا ریکارڈ رکھ لیں اور ضرورت پڑنے پر آسانی ہو جائے۔ اس کے بعد انہوں نے فنڈ جمع کر کے ایک چھوٹا فریزر اور ایک موٹر سائیکل خریدا۔ میں جب پاکستان جاتی تو مجھے تحریک کرتا کہ میں بھی مدد کروں۔ چونکہ کام بڑھتا گیا اور میڈیکل کالج کا طالب علم ہوتے ہوئے انہیں وقت نکالنے میں بعض دفعہ مشکل بھی پیش آتی مگر انہوں نے اپنی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے دونوں کاموں کو ساتھ ساتھ چلایا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اب یہی بلڈ بنک ایک بڑی عمارت میں وسیع پیمانے پر کام کر رہا ہے اور بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف خدمتِ انسانیت ہی تھا۔ امریکہ میں اس کے دوست ڈاکٹر جو اس کے ساتھ کام بھی کرتے تھے بتاتے ہیں کہ مہدی کے ساتھ ان کی ہسپتال جاتے ہوئے اکثر ایک ہی موضوع یعنی غریبوں کے لئے کام کرنے اور میڈیکل سپلائز پہنچانے پر بات ہوتی۔ پاکستان پہنچنے کے بعد پہلا دن تھا، باوجود تھکن اور مصروفیت کے رات کو جب دوستوں سے ملاقات ہوئی تو رات گئے تک بھی فضلِ عمر ہسپتال کی Improvement اور Gastroenterology Facility بنانے کے منصوبے پر بات کرتے رہے۔ ہماری امی نے اپنے آخری وقت میں یہی نصیحت کی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے تو اس میں رشتے داروں اور غریبوں کا بھی حصّہ ہے۔ تم ان کا بھی خیال رکھنا۔ مہدی نے بھی آخری دَم تک اس پر عمل کیا اور نہایت خاموشی سے بہت سے مستحقین کی مدد کرتا رہا۔ پھر 1991ء میں ہمارے ابّاجی وفات پا گئے۔ وہ گھر جو ایک لمبا عرصہ اپنے پرائے سب کو محبتیں بانٹتا رہا..... گو کہ وہ سلسلہ ختم ہو گیا لیکن کتنے لوگوں نے کس کس رنگ میں وہاں سے فیض پایا اس کا شمار ممکن نہیں۔ حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ کے پوتے محترم امتیاز راجیکی صاحب جو کہ ہمارے ہمسائے تھے، امی کی وفات پر لکھتے ہیں:

''محترمہ نجم النساء بیگم اہلیہ محترم چوہدری فرزند علی صاحب جنہیں خالہ نجمہ، آپا نجمہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ محلہ دارالرحمت ربوہ کی ہر دلعزیز اور معروف شخصیت تھیں بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ دکھائی نہیں دیتا کہ وہ محلے کی سب سے زیادہ مقبول ترین خاتون تھیں..... انہوں نے میرے لئے اپنے ہوش کی ابتدائی یادداشتوں سے لے کر تقریباً 32 سال تک تربیت، خدمت، احسان، خلوص و محبت اور حسنِ انتظام کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جن کو میں جتنا کھرچتا جاؤں وہ اتنے ہی گہرے اور نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ میرے لئے اس حد تک احسان فراموشی ممکن نہیں کہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی انہیں نظرانداز کر کے گزر جاؤں..... کہ یہ وجود میں رچے بسے ہیں..... خالہ نجمہ سے ہماری کوئی قرابت داری نہیں تھی صرف ہمسائیگی کا تعلق تھا..... ہمسائیگی کے حقوق کی جو پاک ہدایات موجود ہیں یہ انہی کا نتیجہ تھا کہ محترم چوہدری فرزند علی صاحب کا گھرانہ ہمارے لئے ہمسایہ ماں جایہ بن گیا۔ ہمسائیگی کا اس سے بڑھ کر اور تصوّر میرے لئے ممکن نہیں۔ اس اعزاز میں جہاں چوہدری صاحب کے تدبّر، فہم، بردباری، سخاوت اور عنایت کا وافر عمل دخل ہے وہاں ان کی اہلیہ محترمہ نجم النساء کے حُسنِ سلیقہ، حُسنِ معاملت، خلوص و محبت اور احسان کا حصّہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے''۔

پھر ابّا جی کی وفات پر لکھتے ہیں:

''غریب الوطنی میں چوہدری صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ وہ وجود ہی ایک تابندہ دور تھا، محبتوں اور عنایتوں سے بھرپور..... اب ماضی کی درخشاں تاریخ بن گیا ہے ایک روشن قندیل کی طرح چراغ بہ چراغ مستقبل کے دیئے جلانے کے لئے۔ ان کی تربیت اور محبتوں کے چھینٹے مجھ پر ہمیشہ پڑتے رہے اور یہ فیضرسانی میری زندگی کا قیمتی، قابلِ شکر اور قابلِ فخر سرمایہ ہے..... خدا تعالیٰ نے مالی فراخی کے ساتھ ساتھ فراخیٔ قلب بھی عطا فرمائی تھی۔ مالی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے''۔

ہمارے ماں باپ کی عمر میں اگرچہ قریباً بیس سال کا فرق تھا لیکن ان کے باہمی سمجھوتے اور حُسنِ انتظام کے ساتھ ایک ایسا گھرانہ وجود میں آیا کہ جس کی مثال کم ملتی ہے۔

بہرحال وہ ایک قابلِ رشک دَور تھا جو ختم ہوا اور مہدی امی کے ساتھ ٹورانٹو اشرف بھائی کے پاس آ گیا۔ وہاں رہتے ہوئے امریکہ کے امتحان پاس کئے اور Residency اسے Brooklyn Newyork میں ملی۔ وہاں سے فیلوشپ مکمل کرنے کے بعد وہ گزشتہ دس سال سے Ohio میں مقیم تھا اور اب اس کا شمار امریکہ کے ممتاز Cordiologists میں ہوتا تھا۔ اس نے نمایاں کامیابیاں اور بے شمار ایوارڈز حاصل کئے۔ اسے قرآنِ مجید کا علم اور اس کی آیات کو سمجھنے کا بہت شعور تھا۔ 5 دسمبر 2002ء کو جب میرے شوہر منصور احمد کی وفات کار کے حادثہ میں ہوئی تو مہدی میرے گھر پہنچنے سے پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم قرآن مجید لاؤ۔ اس میں سے اس نے یہ آیات نکالیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ۔
ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ۔ ١أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ (البقرۃ 158-156)

اور کہا کہ یہ خود بھی پڑھو اور بچوں کو بھی پڑھاؤ۔ اس نے بتایا کہ 5 دسمبر کی صبح اس نے کسی بزرگ خاتون کو فون کیا تو انہوں نے اسے بتایا کہ ان آیات کی تلاوت کرو۔ اس نے کہا مجھے سمجھ نہیں آئی کہ مجھ سے اس کا کیا تعلق تھا۔ مگر جب یہ حادثہ ہوا تو اندازہ ہوا کہ تمہارے لئے یہ آیات بتائی گئی تھیں۔ میں نے

بار بار پڑھیں۔اس کے بعد تو ایسا دل قرآن میں لگا کہ اتنے بڑے حادثے کی وجہ سے دل شدید تکلیف اور دُکھ میں تھا۔ میں گھنٹوں قرآن مجید پڑھتی اور ایسا لگتا کہ خدا تعالیٰ نے یہ خاص لفظ مجھے ہی تسلّی دینے کے لئے لکھے ہیں۔اب میں سمجھتی ہوں کہ سب مشکلوں کا حل اور میرے ہر دُکھ اور درد کا علاج ہمیشہ قرآن سے ہی ملتا ہے۔ مہدی کی یہ عادت ساری عمر رہی کہ اسے جو بھی وقت ملتا قرآنِ کریم کی تلاوت خوش الحانی سے کرتا۔اپنے بڑے بیٹے کو قرآن ناظرہ سکھانے کے بعد اب ترجمہ پڑھا رہا تھا اور آخری رات بھی باوجود انتہائی مصروفیت کے دوستوں سے ملنے سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت کی۔

اتنی کامیابیاں اور ایوارڈز ملنے کے باوجود مہدی کبھی متکبّر نہیں ہوا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ Humble ہوتا جا رہا تھا اور عاجزی اور بڑھ گئی تھی۔ آنکھوں میں گہری سوچ اور اداسی رہتی تھی۔کافی عرصہ سے شاعری کر رہا تھا۔اس کی شاعری میں خدا تعالیٰ کو پانے کی تڑپ اور اس کی محبت نمایاں نظر آتی ہے جیسا کہ اس کے لکھے ہوئے ان شعروں سے ظاہر ہے:

ہو نصیب جس میں یارب

تیرے پیار کا وہ لمحہ

تیری دید کی وہ ساعت

ملیں اس طرح سے ہم تم

کوئی نہ درمیاں ہو

ہو وصال پھر کہ ایسا

جسے چھو سکیں نہ ہر گز

کبھی ہجر کی ہوائیں

اس کے علاوہ اس کی شاعری میں شہداء کو خراجِ عقیدت اور روحانی انداز نظر آتا ہے۔اس نے اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔شاعری کی ایک کتاب ''برگِ خیال'' شہادت سے چند دن پہلے ہی پبلشر کے حوالے کی تھی اور دوسری کتاب جس میں خلفاء سے محبت، شہدائے احمدیت اور جماعت سے متعلق نظمیں تھیں، اس کا مسّودہ ابھی زیرِ غور تھا اور جلد ہی پایۂ تکمیل تک پہنچنے والا تھا۔ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس نیک کام کو جلد ہی کتاب کی صورت میں تکمیل کے مراحل تک پہنچائیں۔

پاکستان میں 26 مئی کی صبح کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے اور یہاں رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میرے بہنوئی کا ناروے سے فون تھا..... ایک افسوسناک خبر ہے۔دل ڈوبنے لگا.... پھر وہ بات نہیں کر پا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ کہہ پائے..... مہدی کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مہدی کی طرف تو میرا دھیان گیا ہی نہیں۔ مہدی جس کے ساتھ میں نے ہوش سنبھالنے سے لے کر بڑے ہونے تک دن رات گزارے.... وہ میرا پیارا بھائی تھا جس کے چھوٹے سے غم سے میں بے چین ہو جاتی... میں ہی نہیں پورا خاندان اس سے محبت کرتا تھا۔ ایک جھٹکے سے سب کا پیار چھوڑ کر وہ اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا جس کی محبت اس کے دل میں بسی تھی۔ اس نے لکھا:

تیری اک جھلک کی خاطر
میں دو جہاں لُٹا دوں
یہ کیا ہے جاں لُٹا دوں

اور واقعی میں تم نے ایسا کر دکھایا کہ ربوہ کی سر زمین پر بہشتی مقبرہ میں اپنے پیاروں کی قبروں کے سامنے جا کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ تم اپنے پیارے بچے عبداللہ، ہاشم اور اشعر کو چھوڑ کر جن پر تم اپنی جان لٹاتے تھے..... سب کو غمگیں چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ہمیشہ کے لئے.....

تمہارے گھر کی لائبریری میں Graduation کا گاؤن پہنے ہوئے تمہاری بڑی سی تصویر لگی تھی..... بہت سارے ایوارڈز اور تمہاری جمع کی ہوئی بہت سی کتابیں.... ادبی، دینی اور شاعری کی کتابیں، کچھ ہاتھ سے لکھے ہوئے کاغذ اور پانی کی آدھی پی ہوئی بوتل بھی اسی طرح پڑی تھی۔ فائل میں اپنے ضروری کاغذات ترتیب سے رکھے تھے۔ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا تھا:

ضبطِ غم روک رکھا ہے
اب وہ آنسو ٹپکنے والا ہے
یہ کشمکش ہست اور بود کی واللہ
تو نے کس امتحاں میں ڈالا ہے

تم نے شہادت پائی اور خدا تعالیٰ کی مغفرت کی چادر نے تمہاری روح کو لپیٹ لیا ہے۔ تمہیں پَل پَل خدا تعالیٰ کے پیار کی ٹھنڈک نصیب ہو... تم تو وہاں چلے گئے جہاں سکون ہی سکون ہے..... یہاں تمہارے بچوں کے روشن چہروں اور مسکراتی آنکھوں میں اب دُکھ اور حیرانگی ہے.... تین سالہ اشعر جو سارا دن تمہارا انتظار کرتا تھا اور گھر آنے پر تمہارا پیچھا کرتا تھا..... اس کی امید دِن میں کئی بار بنتی اور ٹوٹتی ہے۔ گاڑی کو دیکھتا ہے تو آنکھیں چمک اٹھتی ہیں اور پھر اپنے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ بابا جاب پر ہیں..... ہاشم سمجھ اور نا سمجھی کی حالت میں سارا دن سوچوں میں الجھتا رہتا ہے.... عبداللہ جس کا انداز، سوچ اور شخصیت تمہاری طرح ہے، جس کی تربیت تم نے کی ہے.... اتنی چھوٹی عمر میں ہی وہ بہت سمجھدار اور مدبّر نظر آتا ہے۔ لگتا ہے ان دو ہفتوں میں اس نے شعور کے بیس سال طے کر لئے ہیں۔

16 سال پہلے تم نے عبداللہ کی پیدائش پر اس کی البم کے پہلے صفحہ پر لکھا تھا:

’’رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَاقُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً‘‘

’’سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہ خوبصورت تحفہ عبداللہ عطا فرمایا۔ ہم اس کی لمبی اور صحت والی زندگی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اللہ اسے انسانیت کے لئے فائدہ مند انسان بنائے اور اسے غریب اور بیمار لوگوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ اپنے نام ’’عبداللہ‘‘ کی طرح خدا تعالیٰ کا سچّا خادم بنے۔ خدایا تیرا شکر ہے‘‘۔

خدا کرے کہ ان تینوں کی آنکھوں کے ستارے اسی طرح چمکتے رہیں اور تم نے جو خواب ان کی تربیت اور کامیابیوں کے دیکھے تھے وہ سچ ہو جائیں۔ تم یقیناً اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھتے اگر تمہیں یہ اندازہ ہوتا کہ خلیفۂ وقت نے تمہارے لئے اور تمہارے بیوی بچوں کے لئے کتنی دعائیں کی ہیں، پوری جماعت نے تمہارے لئے رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ تمہاری جماعت اور تمہارے خاندان کو تم پر فخر ہے۔ تمہاری شہادت نے غیر معمولی طور پر احمدیت کا پیغام پوری دنیا میں پہنچا دیا۔ خدا تعالیٰ تمہاری اس عظیم قربانی کو قبول کرے، تمہارے بچوں کو اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے اور ان کے دُکھی دلوں میں دائمی خوشیاں بھر دے۔ آمین

Ohio کی مسجد میں مہدی نے کچھ کیلیگرافی خود کی تھی اور کچھ ہادی بھائی سے لیکر سجائی تھی اور دونوں نے مل کر اس مسجد کی تزئین و آرائش کا کام کیا۔ بہت خوبصورتی سے قرآن کی آیات مسجد کے اندر چھت پر اور باہر دیواروں پر لکھی ہیں..... مسجد کے ایک ہال میں بڑا سا Banner تھا جس پر دنیا کا نقشہ تھا اور اوپر لکھا تھا ’’میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘‘۔

بتایا گیا کہ جب حضور انور ایدہُ اللہ تعالیٰ وہاں تشریف لے گئے تھے تو مہدی نے یہ پوسٹر بنایا تھا۔ پھر اتفاق سے جو Slides وہ دکھا رہے تھے تو ان میں اسی پوسٹر پر مہدی لکھتا ہوا نظر آ رہا تھا کہ

’’میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘‘

عزیزم ڈاکٹر مہدی علی شہید کی یاد میں

اشکوں میں ڈھل رہی ہیں مرے خونِ دل کی بوندیں
غمِ ہجر سے ہوں گھائل، مرا دل ہے پارہ پارہ
(مہدی علی)

پروفیسر محمد شریف خاں صاحب

مہدی علی شہید ہمیں چھوڑ کر ہمیشہ کی زندگی پا گیا۔ کلاس میں بیٹھا یہ خوش شکل، خوش مزاج، دھیما سا لڑکا، کسے پتا تھا، ایکدن دنیا کا معروف ما ہرِ امراضِ قلب بن کر اُفقِ طبابت پر اُبھرے گا، اور پھر انا فانا جامِ شہادت نوش کر کے زندہ جاوید ہو جائے گا۔

یہ درجہ ہے جسے خالق بخشے، نہ بخشے

1978 میں مہدی علی تعلیم الاسلام کالج میں ایف ایس سی پری میڈیکل داخل ہوا اور ہمارا قریبی تعلق شروع ہوا۔ ربوہ شہر میں آتے جاتے ملاقات ہوتی۔ "سر، اسلام علیکم"۔ "مہدی علی کیا کر رہے ہو؟"۔ "سر امتحان کی تیاری کر رہا ہوں، دعا کریں۔ مجھے ایک دو چیزیں پوچھنا ہیں"۔ "ٹھیک ہے کل عصر کی نماز کے بعد گھر آجانا"۔۔۔ یہ سالوں پرانی یادیں، چہرے پر کھیلتی مخصوص شریفانہ مسکراہٹ، نشیلی آنکھیں، مہذب طور واطوار، آج جواں مرد مہدی علی کی یاد کو تازہ کر رہی ہیں۔

چند سال پہلے فون کیا، "ڈاکٹر مہدی علی، مجلس طلباء قدیم تعلیم الاسلام کالج امریکہ، اپنا "المنار" شروع کر رہی ہے، آپ اچھا شعر کہتے ہو، شاملِ اشاعت کے لئے اپنی کوئی نظم بھیجیں"۔ "جی سر، نظموں کا مجموعہ بھیج رہا ہوں، جو پسند آئے۔" ابھی کچھ دن ہوئے مجھے کولمبس میں مکرم نورالحق خان صاحب کے فون کی تلاش تھی، ڈاکٹر مہدی کو فون کیا، دو سیکنڈ میں میرا مطلب حل ہو گیا! یہ تھا، ہمارا مہدی علی امریکہ کا مشہور کارڈیالوجسٹ! اندازہ کیجئے یہ ڈاکٹر اپنے پیشے کے لحاظ سے کتنا مصروف ہو گا۔ جب بھی فون کیا ہمیشہ ڈاکٹر مہدی کو لائین پر موجود پایا، ورنہ شاگرد نہ شاگرد ڈاکٹر صاحبان کو جب فون کیا، اللہ ماشاءاللہ، اوّل تو ملاقات ہی نہیں ہوتی اور خال خال کوئی کال بیک کرتا ہے۔ اور جب تقدیر نے شہادت کیلئے کال کیا تو مہدی علی کو موجود پایا، جس نے بڑھ کر آبِ حیات نوش کر لیا۔۔۔۔ مہدی علی! اب تم مجھے کس کس حوالے سے یاد آؤ گے

مہدی مجھے ایک اور حوالے سے یاد رہیگا۔ جب بھی کوئی سانپ ڈیرے پر مارا جاتا، میری ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے، عزیزم مجھے لا دیتا، اسطرح عزیزم ربوہ کے قیام کے دوران میری تحقیق میں اکثر اپنا حصہ ڈالتا رہا۔

تعلیم: مہدی علی شہید نے ابتدائی تعلیم فضل عمر ماڈل سکول صدر محلہ ربوہ سے حاصل کی۔ میٹرک 1979 میں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور 1982 میں ایف ایس سی پری میڈیکل کا امتحان تعلیم الاسلام کالج سے اور 1988 میں پنجاب میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ محکمہ صحت پنجاب میں کام کیا۔ دو سال فضل عمر ہسپتال ربوہ میں خدمت بجالائے، جہاں بلڈ بینک قائم کیا۔ 1991 یا 1992 میں مہدی نے 1996 میں Maimonides Hospital in Brooklyn سے ڈاکٹری کی تربیّت (Residency Training) حاصل کی اور بطور Board certified Internist, Cardiologist, and Invertional Cardiologist, کے

of New York Maimonides Hospital میں کام کرنا شروع کیا۔اس کے ساتھ Ohio University میں پڑھانا شروع کر دیا۔

جبکہ ڈاکٹر لئیق صاحب نے American Board of Psychiatry and Neurology میں دسترس حاصل کی اور اب بطور Director Continuing Medical/Health Education, The Department of Pschyiatry, Moncton Hospitral Moncton, Halifax Canada کام کر رہے ہیں

ڈاکٹر مہدی علی کی تحقیقی صلاحیتوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے امریکن کالج آف کارڈیالوجی نے آپکو "محقق امراضِ قلب "کا ایوارڈ برائے 2003-2004 عطا کیا۔ اس کے علاوہ آپ مسلسل 2005 سے 2012 تک امریکہ کے قابل ترین ماہرِ امراضِ دل شمار ہوئے ۔ عزیز ڈاکٹر مہدی علی شہید نے اپنی پروفائیل میں اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کو یوں بیان کیا ہے

میں مریض کی نگہداشت میں ممکنہ بہترین صلاحیتوں کے اظہار پر یقین رکھتا ہوں۔ میں اپنی بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر، جس ادارے سے منسلک ہوں اسکی ترقی اور نیک نامی میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ میری اولین ترجیح میں اپنی بہترین صلاحیتوں، ایمانداری اور راست بازی کو بروئے کار لا کر خدمت خلق ہے۔

("I believe in delivering the best possible patient care, maintaining the highest professional standards, contributing to the progress of the institutions I am affiliated with. My first priority is to deliver my professional responsibilities with competency, honesty and integrity.")

عزیزم شہید طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ فضل عمر ہسپتال کے لئے اوزار اور مشورے وغیرہ بجھواتے رہتے تھے۔

عزیز شہید کے کزن مکرم ڈاکٹر لئیق احمد، طاہر مہدی شہید سے دس سال بڑے تھے۔انہوں نے تعلیم الاسلام کالج سے ایف ایس سی 1978 میں پاس کیا، 1985 میں قائدِاعظم میڈیکل کالج بہاولپور سے ایم بی بی ایس۔1988 تک گورنمنٹ کلینک بہاولپور میں کام کرتے رہے، اسوقت مہدی علی پڑھائی سے فارغ ہو چکے تھے۔دونوں بھائی مزید تعلیم کے لئے کینیڈا پہنچے، اور وہاں سے فلاڈلفیا امریکہ پہنچے اور ایم ڈی کے امتحان دیئے۔

ڈاکٹر لئیق احمد نے Clinical Psychiatry میں تخصیص کی اور آجکل کینیڈا میں Assistant Professor, Clinical Psychiatry, Dalhousie University Halifax, کی حیثیّت سے کام کر رہے ہیں۔ اور ہر سال فضلِ عمر ہسپتال میں وقفِ عارضی کر کے خدمت کے لئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

ڈاکٹر مہدی علی معروف سرجن کے علاوہ کہنہ مشق شاعر اور بہت اچھے کیلیگرافر تھے، موصوف کی اوہائیو کولمبس کی مسجد میں قرآنی آیات کی دیدہ زیب کیلیگرافی رہتی دنیا تک موصوف کی یاد دلاتی رہے گی۔

خاندانی حالات: عزیزم ڈاکٹر مہدی 3 ستمبر 1963 کو چوہدری فرزند علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے، ماشااللہ تیرہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بچپن ہی سے ذہین اور صاف ستھرا مزاج پایا تھا۔شہید کے نانا ماسٹر ضیاءالدین ارشد ربوہ کے پہلے شہید تھے، جبکہ آپ کے ماموں راجہ نعیم احمد صاحب (نعیم جرنل سٹور، رحمت بازار، ربوہ) اور بھائی مکرم اشرف علی چوہدری کو سرگودھا جیل میں 1974 کے احمدی دشمن فسادات کے دوران اسیرانِ راہِ مولیٰ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ مہدی علی اور ڈاکٹر لئیق احمد ربوہ میں مجالس اطفال اور خدام کے سرگرم رکن رہے، تقاریر اور دوسری سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے اور انعام حاصل کرتے رہے۔

مہدی علی شہید کا خمیر ربوہ کی مبارک بستی سے پہاڑوں کے سے محکم ارادے لئے اُٹھا، پروان چڑھا، سکول اور کالج کی تعلیم و تربیت نے سیقل کیا امتحانات کی بھٹی سے کندن بن کر پاکستان سے نکلا، امریکہ جیسے ملک میں، جہاں دنیا جہان کے بہترین دماغ بستے ہیں، سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا، اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل اور خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر مسلسل کئی سال اپنے پیشے پر حکمرانی کرتا رہا، اور پھر ایک ہی جست میں رضوانِ الٰہی حاصل کر گیا۔

مہدی علی شہید نے جس خلوص اور رقت میں ڈُوب کر یہ دعا کی ہو گی، سوائے خدائے عزّوجل کے اور کوئی نہیں جانتا

اے ذوالمنن! اے مہرباں! اس سے پہلے کہ میرے گناہ
میری نیکیوں سے بڑھ جائیں اور ہو جائے یہ وجود میرا
تیری دھرتی پہ بوجھ کی مانند، اس سے پہلے کہ ہو کے بے بس میں
کسی انساں کو سجدہ کر ڈالوں، اس سے پہلے کہ تیرا فضل و عطا
مجھ سے ہونے لگے گریزاں تو پاس اپنے مجھے بلا لینا
اس جہاں سے مجھے اٹھا لینا اپنی بخشی ہوئی حیات خدا
میری سانسوں سے تو چرا لینا

عزیز مہدی علی شہید م حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عطا کئے گئے شہداء کی صف میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر گیا، جس کے سرخیل حضرت صاحبزادہ سیّد عبداللطیفؓ شہید 1903 کے بعد ایک لمبا سلسلہ شہدا جس میں ڈاکٹر میجر محمود احمد شہید 1948۔۔ڈاکٹر مظفر احمد شہید 1983۔۔ڈاکٹر عبدالقادر شہید 1984۔۔۔ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر 1984۔۔اور ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی 2008۔۔شامل ہیں، رضی اللہ عنہم

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنے خطبہ جمعہ 12 اگست 1983 میں ڈاکٹر مظفر احمد کی شہادت پر تمام احمدیوں کو جو عالمی پیغام دیا وہ ہمارے لئے قیامت تک مشعلِ راہ ہے اور رہے گا۔۔۔یہ شہداء کی لڑی تو قیامت تک ممتد ہے

اے ڈیٹرائٹ اور امریکہ کے دوسرے شہروں میں بسنے والے احمدیو! اے مغرب اور مشرق میں آباد اسلام کے جانثارو! اس عارضی غم سے غمگیں نہیں ہونا، یہ ان گنت خوشیوں کا پیش خیمہ بننے والا ہے، اس شہید کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہے۔ اُس راستے سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹو جس سے وہ مرد صادق چلتے ہوئے بہت آگے بڑھ گیا۔ تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں، تمہارے ارادے متزلزل نہ ہوں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ شہید کو اپنی قربت عطا فرمائے۔ بیوی بچوں، بھائی بہنوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، اور ان کا حامی و ناصر ہو، آمین

خاکسار
محمد شریف خان

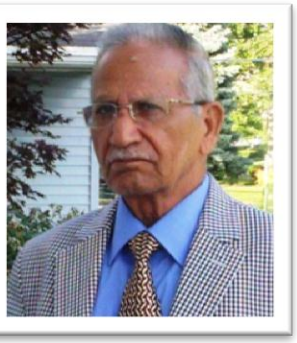

کسبِ کمال سے عزیزِ جہاں

تمہیں یاد ہے مہدی علی! تم نے دسمبر ٹسٹ میں "میرا نصب العین" کے عنوان پر اپنے مضمون میں کیا لکھا تھا، "ہاں سر میں کیسے بھول سکتا ہوں"۔ تم نے ڈاکٹر بننے کے بعد ایک دن سرِ راہ گزر مجھ سے کہا۔ اور پھر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں دسمبر کے پرچے دیکھ رہا تھا، تمہارا خوشخطی سے آراستہ پرچہ دوسروں سے کچھ مختلف تھا، عام طور پر آج کل خوش خط ہونا نایاب ہوتا جارہا ہے۔ لیکن تمہارے زمانہء طالب علمی کے دوران کچھ نہ کچھ "گوہرِ نایاب" مل جاتے تھے، جو تمہاری طرح "زرّیں رقم" ہوتے تھے۔ ہاں، تو میں تمہارے مضمون کے بارہ میں بتارہا تھا، تم نے لکھا تھا کہ میرا نصب العین ڈاکٹر بن کر ایسا کمال حاصل کرنا ہے جو انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہو اور اُسپر انسانیت فخر کرے کیونکہ:

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

اور پھر تم نے اپنے شعبہ میں کئی کمالات سرانجام دیئے، جن کا مظہر تمہارے اعزازات کی فہرست ہے۔

میں نے کسی رسالے میں تمہارا مضمون اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں پڑھا تھا تو تمہاری تحریر کی پختگی اور شُستگی نے مجھے بہت متاثر کیا تھا:

نکلا" تھا" لفظ لفظ سے میں ڈوب ڈوب کر مضموں تھا تیرا یا کوئی دریا چڑھا ہوا

یہ شعر رشید قیصرانی کا ہے میں نے اسمیں کچھ تصرف کیا ہے۔ پھر تمہاری ایک نظم پڑھ کر مجھے خیال آیا، یار تم تو ہر فن مولا ہو۔ طبابت، نثر، شاعری، خوشنویسی، خوش گفتاری، غرضیکہ تم نے وہ نقوش ثبت کیئے ہیں، جو برسوں تمہاری یاد تازہ کرتے رہیں گے!

مہدی علی! تم نے عملی زندگی میں "ڈرائیونگ سیٹ" پر بیٹھ کر تیز رفتاری سے آسمان کی بلندیوں کو چھولیا:

عشق کی ایک جَست نے طے کر دیا قصہ تمام

اس ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

ہاں ہاں مہدی علی! تم نے آسمان کی بلندیوں کو چھولیا، تم نے اپنے آقا، اپنے مرشد کے فرمان کے مطابق امریکہ کے خوبصورت موسموں کی رعنائیاں چھوڑ کر تپتے شب و روز میں انسانیت کی خدمت اور بیماروں کی مسیحائی کے لئے امریکہ سے پاکستان کا سفر اختیار کیا، کہ طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ میں بیقرار دلوں کو قرار اور دکھی دلوں کے درد سمیٹے اور تڑپتی زندگیوں کو آسودگی عطا کر سکے۔ پہلے بھی تو کئی بار یہ کمال کرتے رہے۔ لیکن اب کے تو تم نے کمال ہی کر دیا۔ ظالموں نے تم پر گولیاں برسادیں، تمہارے خوبصورت بدن کو چھلنی چھلنی کر دیا، جو دوسروں کے دلوں کو سکوں دینے آیا تھا، اسے لہولہو کر دیا، وہ بدن جو خاک نشینوں کی مسیحائی کا خوگر تھا، اسے خون کا لبادہ پہنا دیا گیا،

اور وہ اپنی ہی مٹی میں چہرے پر مسکراہٹ سجائے امر ہو گیا۔

ڈاکٹر مہدی علی قمر! جب میں نے یہ سب کچھ سنااور دیکھاتو میری آنکھیں نمناک ہو گئیں، عموماً شاگرد استاد کے لئے آنسو بہایا کرتے ہیں، لیکن آج استاد اپنے شاگرد کے لئے اسکے دائمی فرقت پر آنسو بہار ہاہے، لیکن

شبِ فرقت کے یہ آنسو بڑے انمول ہیں عابدؔ

یہ ایسے پھول ہیں کہ جن کو مرجھانا نہیں آتا

تم نے کہا تھا نا" میں کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دینا چاہتا ہوں جو انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہو"، لو بھئی تم نے کارنامہ سرانجام دے دیا جو رہتی دنیا تک تمہارے نام کو زندہ و تابندہ رکھے گا۔ تم نے شہادت کا اعزاز حاصل کیا، اس سے بڑا اعزاز اور کمال بھلا کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے مقصدِ حیات کی تکمیل میں کامران ہو۔ تم نے تو اپنا مقصد حاصل کر لیا، لیکن مہدی علی آنکھوں کی نمی اس کاغذ کو گیلا کیوں کر رہی ہے؟ بجا ہے بالکل بجا

آنسو سے بڑا کوئی مصّور نہیں عابدؔ

جو خون سے جذبات کی تصویر بنائے

پروفیسر مبارک احمد عابد ۔حال فلاڈلفیا امریکہ

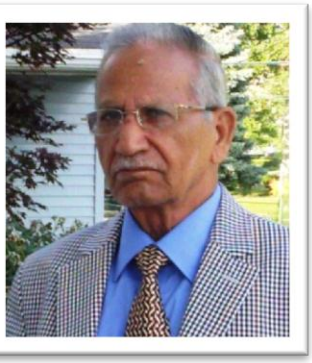

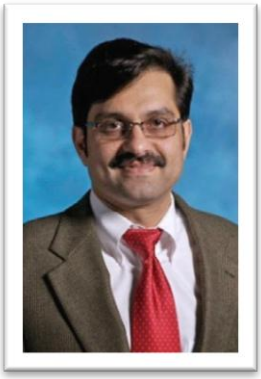

عطا کی اس کو شہادت نے اک حیاتِ دوام

لہو میں تر تھا پرندہ مگر اُڑان میں تھا
یہاں تھا جسم وہ خود دوسرے جہان میں تھا

زمیں تھی پاؤں کی مٹّی وہ تھا بلند بہت
مقام اس کا کہیں دور آسمان میں تھا

عطا کی اِسکو شہادت نے اک حیاتِ دوام
ذرا سا فاصلہ جو اس کے جسم و جان میں تھا

وہ زخم زخم گیا، لب پہ مسکراہٹ تھی
بلا کا حوصلہ اس شیر دل جوان میں تھا

بہت ہی طاق تھا گو وہ فنِ جراحت میں
سخن وری کا سلیقہ بھی خوش بیان میں تھا

کوئی ہو نُدرتِ احساس یا ہو شُستہ لباس
نمایاں فکر میں تھا، فرد آن بان میں تھا

صدائیں دیتے ہیں اسکو نقوشِ پا اسکے
دُعائیں دیتا ہے اسکو وہ جس مکان میں تھا

وہ کیا تھا، کون تھا، کس کس ہنر میں یکتا تھا
یہ ذکر خطبہء آقائے عالی شان میں تھا

نظر کے سامنے عابدؔ وہی ہے مہدی علی
جو کل کلاس میں بیٹھا میرے دھیان میں تھا

پروفیسر مبارک احمد عابدؔ
حال امریکہ

مکرم ملک بشارت الرحمٰن صاحب مرحوم کی یادیں

میری یادوں کے دریچوں سے

ایک پیارا ساتھی ایک یاروں کا یار

(از قلم منیر احمد باجوہ۔ ہیمبرگ۔ جرمنی)

كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ۔ وَّ يَبقٰى وَجهُ رَبِّکَ ذُوالجَلٰالِ وَالِاكرَامِ

ہر چیز جو اس پر ہے وہ فانی ہے۔ مگر تیرے رب کا جاہ و حشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال و اکرام ہے۔ سورۃ الرَّحمٰن آیت 27-28

دنیا ایک مقام فانی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے بلاوے پر اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہونا ہے۔ ہمارے نہایت ہی پیارے دوست اور ہمدرد ساتھی مکرم بشارت الرحمٰن صاحب بھی لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کہتے ہوئے مؤرخہ تین مارچ 2014ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو کر مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اِناللہ وانا الیہ راجعون۔

وقت گزر جاتا ہے اور یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ آپ کی یادیں بھی نہ مٹنے والی حُسین یادیں ہیں جو ہمیشہ دل کی دھڑکنوں میں بسی رہیں گی اور آپ کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا بن کر ربِ رحیم کے حضور التجا کرتی رہیں گی۔ اُن کا ہمارے ساتھ اکٹھے گزرا ہوا وقت ایک یا ڈیڑھ سال کا ہو گا اس مختصر سے عرصہ کو اگر ایک خواب تصور کیا جائے تو چنداں غلط نہ ہو گا لیکن اس نہایت ہی مختصر سی رفاقت کے پیار بھرے لمحے قلب و ذہن پر وہ نقوش چھوڑ گئے جو بھلائے نہیں بھولتے اور مٹائے نہیں مٹتے۔ یہ پیار بھرا زمانہ یہ اعلیٰ کردار کی تعمیر یہ پاکیزہ اور محبت بھری فضائیں یہ دین ہے مولائے مہربان کی اور اس نے اس کا وسیلہ بنایا تعلیم الاسلام کالج ربوہ جیسی بے مثال مادرِ علمی درسگاہ کو۔ جس کے بانی، اور بانی پرنسپل کے بارہ میں یہ کہنا کس قدر سچائی پر مبنی ہے کہ

ہر روز تو تجھ جیسے انسان نہیں لاتی یہ گردشِ روزانہ یہ گردشِ دورانہ

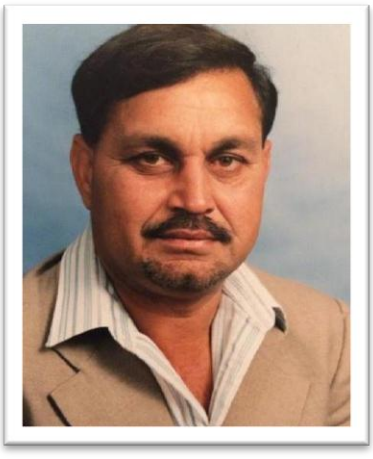

مکرم بشارت الرحمٰن صاحب 1947 میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ مسیح آخر الزماں نے جس نشانِ رحمت کی طلب کے لئے اللہ تعالیٰ کی درگاہِ عالیہ میں چالیس دن منشائے الٰہی کے تحت ہوشیار پور میں چلہ کشی کی اور اُس کی خاص عنایت سے حضرت مصلح موعودؓ جیسے مقدس وجود کی نوید پائی۔ وہ گھر جس میں یہ التجائیں یہ زاریاں اور یہ دعائیں کی گئیں جو عرشِ الٰہی پر مقبول ٹھہریں وہ گھر ملک بشارت

الرحمٰن صاحب کے پردادا حضرت شیخ مہر علیؓ صاحب کا تھا۔آپ اس گھرانے کے چشم وچراغ تھے جس کی وفاؤں کا آپکو ہمیشہ ہی پاس رہا اپنی آخری سانس تک اس عہدِ وفا کو خوب نبھایا اور خلافت کی اطاعت اور غلامی میں ہر آن بچھتے ہی چلے گئے۔اطاعت کے وصف کی جھلک آپکے ہر شعبہ زندگی میں نمایاں نظر آتی تھی۔اپنے سے بڑوں کی اطاعت۔اپنے اساتذہ خواہ ان کا آپ کے مضامین سے تعلق ہو یا نہ ہو ہر حال میں ان کا احترام اور اطاعت۔اپنے ساتھیوں،دوستوں کے ساتھ نہایت ہی مخلصانہ اور ہمدردانہ رویہ۔کسی کی کمزوری یا کوتاہی دیکھ کر بھی اس کی تحقیر وتذلیل نہ کرنا نہ ہونے دینا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی اور عزت ووقار میں اضافہ کی کوشش کرنا تاکہ اس میں کسی قسم کا احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔ہمیشہ "گرتوں کو تھام لے ساقی" کے محبت بھرے اصول سے لذت یاب ہونا ان کا وطیرہ تھا۔

آپ تقسیم ہند کے بعد لاہور آباد ہوئے۔والد صاحب کی عسکری خدمات کی وجہ سے جہاں جہاں تعیناتی ہوتی وہاں رہائش پذیر ہوتے۔مختلف شہروں،مقامات اور ممالک میں بسیرا کیا۔1965 میں ربوہ آگئے۔ٹی آئی کالج میں داخل ہوئے ساتھ ہی فٹ بال کی ٹیم کے ممبر بن گئے۔خود کو اچھا کھلاڑی ثابت کیا اور نامور کھلاڑی کے طور پر آج بھی یاد آتے ہیں۔1967 میں ملٹری میں چلے گئے یہی مختصر سا عرصہ تھا جو انہوں نے ہمارے ساتھ گزارا۔لیکن میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُس دور کا ہر کھلاڑی اور ساتھی جس نے بھی ان کے ساتھ وقت گزارا ہے وہ ان کے بارہ میں یہی کہے گا کہ

رکھوں گا عمر بھر یادیں سنبھال کر

میں تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم تمام کھلاڑیوں میں آپس میں بے پناہ محبت تھی اور کبھی بھی پارٹی بازی یا دھڑے بندی نہیں تھی۔کسی ایک میں بھی دوسرے کو زیر کرنا یا خود کو بڑا ظاہر کرنے کی تمنا پیدا نہیں ہوتی تھی۔کبھی کسی نے کپتان بننے کا خود لالچ نہیں کیا یہی تکرار ہوتی کہ مجھے نہیں دوسرے کو کپتان بناؤ۔گیم کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک ہیرا تھا لیکن اخلاق اور اخوّت کی شان اور چمک ان ساری صلاحیتوں سے بالاتر اور ممتاز ہوتی تھی۔فٹ بال کے کھلاڑیوں میں برادرم محمد عاقل خان صاحب کا نام بھی نمایاں تھا آپ سیکنڈری بورڈ کے انتخابات میں بطور گول کیپر چنے گئے۔برادرم محمد ذکریاورک صاحب کینیڈا،برادرم عبدالحلیم ظفرؔ صاحب ڈنمارک،مکرم نیاز مصلح صاحب امریکہ، مکرم راجہ عبدالستار صاحب جرمنی برادرم چوہدری نعیم الدین وسیمؔ صاحب ولد چوہدری عطااللہ صاحب ہیمبرگ،یہ تمام ہماری ٹیم کے مایہ ناز کھلاڑی تھے۔تمام کھلاڑی اپنے انچارج اور کوچ صاحبان کا بے حد احترام کرتے اور کبھی کسی صاحب کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونے دیا۔جس کا ہمارے نہایت ہی قابل صد احترام انچارج فٹ بال ٹیم مکرم پروفیسر عزیز احمد طاہرؔ صاحب نے اپنی ایک تحریر میں برملا اعتراف کیا ہے کہ تمام کھلاڑی میری ہر بات مانتے اور احترام کرتے تھے۔یہی ہمارے لئے سرمایہء افتخار ہے اور بہت بڑا انعام ہے۔بلاشبہ یہ اعزاز تھا ہمارے اساتذہ کرام کی حُسنِ تربیت کا اور نہایت ہی مشفقانہ روّیے کا جو وہ اپنے شاگردوں یا کھلاڑیوں سے روا رکھتے تھے۔کھیل ہم میدان میں رہے ہوتے تھے لیکن انہیں ہماری کھیل سے کہیں بڑھ کر ہمارے کردار کی تعمیر کی فکر ہوتی تھی۔کبھی کسی کھلاڑی کو کسی دوسرے سے کوئی الجھن پیش نہیں آتی تھی اور نہ ہی ہمارے درمیان کبھی کوئی گھٹیا مذاق ہوتا تھا۔کھلاڑیوں کے کردار کی تعمیر میں ہمارے تمام انچارج صاحبان مکرم پروفیسر عزیز احمد طاہرؔ صاحب،مکرم پروفیسر عبدالرشید فوزیؔ صاحب اور مکرم پروفیسر عبدالرشید غنیؔ صاحب کے علاوہ سپورٹس کے ڈائرکٹر مکرم،محترم جناب محمد احمد انورؔ صاحب حیدر آبادی کی ذاتی توجہ اور نگرانی کا بہت دخل عمل تھا۔جنہوں نے ہمیں اول وآخر اپنے اساتذہ کرام کی کامل اطاعت کے سلیقے سکھائے۔کپتان بنتے وقت ہم میں کبھی کوئی کھینچا تانی نہیں ہوتی تھی۔تمام کھلاڑیوں نے جذبہء اخوت کے تحت میرا نام بطور کپتان تجویز کیا جبکہ میں نے اس وجہ سے انکار کیا کہ میں دوسروں کو اپنے سے صاحبِ فضیلت سمجھتا ہوں یہ اعزاز اُن کو ملنا چاہئے۔کیونکہ میں کالج میں ابھی داخل ہوا ہی تھا اور اس لحاظ سے یہ میرا پہلا سال تھا جبکہ دوسرے متعدد دوست مجھ سے سینئر تھے چنانچہ کئی دنوں کی بحث وتمحیص کے بعد پروفیسر صاحبان نے ہماری گیم دیکھی اور ہر پہلو سے جائزہ

لینے کے بعد مجھے حکم دیا کہ آج کے بعد تم کپتان ہو اور یہ ہمارا حکم ہے تمہیں ماننا پڑیگا۔اس طرح یہ خدمت ایک حکم کی تعمیل کی صورت میں میرے سپرد ہوئی۔ہمارے کالج کی گراؤنڈ میں گھاس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ہمیں کلر والی کچی گراؤنڈ پر ہی کھیلنے کی مشق کرنا پڑتی تھی۔جب ہمارا ٹور نامنٹ ہوتا تو دوسرے شہروں میں جانا پڑتا وہاں پر گراسی گراؤنڈ ہوتا تھا جس پر پریکٹس نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے کھلاڑیوں کو بے حد مشکل پیش آتی تھی۔ہمارے کھلاڑی پورے اعتماد کے ساتھ اس پر دوڑ نہیں سکتے تھے بسا اوقات دوڑتے ہوئے ان کے پاؤں پھسل جاتے اور وہ گر جاتے تھے۔دوسرے اُن شہروں کے شائقین اور مداحوں کے نہایت نامناسب رویے کا دباؤ بھی برداشت کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا تھا۔ان تمام دشواریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے پہلی مرتبہ جھنگ سے فٹ بال کی زونل چیمپین شپ جیتی۔یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا کہ کالج کی تاریخ میں فٹ بال کی ٹرافی نہ ہم سے پہلے کسی ٹیم نے جیتی اور نہ ہی ہمارے بعد۔

(تفصیلی رپورٹ ملاحظہ ہو الفضل ربوہ 28.01.2011 از پروفیسر عزیز احمد طاہرؔ صاحب انچارج فٹ بال ٹیم)

بھی وہ تمام دوست ملتے ہیں تو بے پناہ محبت سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔آمین۔ آج ان ہی محبت کرنے والوں میں ایک نہایت ہی خوش اخلاق چست چاق وچوبند نوجوان مکرم بشارت الرحمٰن صاحب بھی تھے۔ہر لمحہ متحرک پھرتیلا وجود اور نفیس مزاج رکھنے والے تھے۔ سستی ورکاہلی سے انہیں شدید نفرت تھی۔ہمیشہ مسکراتے رہو کے اصول پر کاربند تھے۔خواہ کتنا بھی مشکل مرحلہ ہو یا کتنی بھی کٹھن گھڑی آجائے ہم نے ہمیشہ انہیں مسکراتے ہوئے اور خندہ پیشانی سے ہی الجھنوں سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔وہ ہماری ٹیم میں سنٹر فارورڈ کی پوزیشن پر کھیلا کرتے تھے۔بڑی اچھی گیم کرتے تھے لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی واقفیت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا تھا۔ان کی دوستی کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ہر کس وناکس ان کی دوستی کا دم بھرتا تھا۔راہ چلتے گلی کوچہ میں بھی ہر ناواقف سے بھی واقفیت پیدا کرلینا ان کی بڑی خوبی تھی۔بلاشبہ انہیں تعلقات بنانے آتے تھے۔پنجاب یونیورسٹی کے زون بنتے تھے تو گوجرانوالہ ہمارے کالج کے زون میں آتا تھا ہمیں ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے گوجرانوالہ جانا پڑتا تھا۔ان کا رویہ تعصب کی وجہ سے بہت برا ہوتا تھا اور وہ بڑی بدزبانی کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ ہم وہاں گئے سٹیشن سے اتر کر ہم گراؤنڈ کی طرف جارہے تھے تو راستہ میں ہمارے ایک غیر از جماعت کھلاڑی جس کا نام عارف تھا اور اسے اس کی مزاحیہ طبیعت اور دیہاتی وضع قطع کی وجہ سے چاچا عارف کہتے تھے اس نے کہا کہ تمام کھلاڑیو ایک بات یاد رکھنا کہ بشارت صاحب نے یہاں بھی کوئی نہ کوئی واقفیت تو بنا ہی لینی ہے لیکن ان کی واقفیت کے باوجود گوجرانوالوں کی بدسلوکی حسنِ سلوک میں تبدیل نہیں ہوگی۔بشارت صاحب کی واقفیت والی صفت اتنی ظاہر وباہر تھی کہ ہو نہ ہو انہوں نے کوئی نہ کوئی واقف کار یہاں بھی ڈھونڈ ہی نکالنا ہے لیکن صرف اسی بات پر خوش ہو کر گوجرانوالوں سے بھلائی کی امید ہر گز نہ رکھنا۔بلکہ پہلے سے زیادہ جان مار کر کھیلنا۔

گوجرانوالہ میں ان کے بغض اور اندرونی غلاظت نے جو رنگ دکھایا وہ 1974ء میں نکھر کر سامنے آگیا جب وہاں بڑی بے دردی سے ہمارے پیارے احمدیوں کو شہید کر دیا گیا ان میں باپ بیٹا بھی تھے اور ہمارے کالج کے ایک نہایت ہی سعادت مند اور ہونہار طالب علم بھی تھے۔

بشارت صاحب کو صرف اپنی ہی گیم سے غرض نہیں تھی جب کبھی کوئی ٹورنامنٹ ہوتا خواہ کسی گیم کا باسکٹ بال ہو یا آل پاکستان طاہر کبڈی ٹورنامنٹ ہو ان میں کھلاڑیوں یا انتظامیہ میں سے ہو نہیں سکتا تھا کہ بشارت صاحب کا کوئی واقف نہ ہو۔ان لوگوں کے ساتھ آپ کے بڑے دوستانہ مراسم ہوتے تھے اور آپ ان کے جُھرمٹ میں کبھی اِدھر کبھی اُدھر آجارہے ہیں۔پوچھو تو کہنا کہ یہ لاہور کے رہنے والے ہیں، یہ گلبرگ کے ہیں یہ شاہدرہ کے یہ مغل پورہ کے ہیں۔باسکٹ بال ریلوے کلب کے کھلاڑی جاوید صاحب، برادرز کلب کے شیخ امین صاحب، پولیس کے چمن صاحب اور بھائیا، ان سب کا نام باسکٹ بال کی فضاؤں میں گونجا کرتا تھا اور یہ سب پرنسپل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی عنایات کریمانہ کے ممنونِ

احسان ہوا کرتے تھے۔ان میں **بھائیا** ادھیڑ عمر کھلاڑی تھا باوجود جان مارنے کے تفاوت عمری کی وجہ سے اُس سے کچھ بَن نہیں پڑتا تھا۔پیارے آقا نے اُس کی حالت دیکھی تو اسی وقت اس پر شفقت فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ میری طرف سے بھائیا کو سویابین دی جایا کرے۔

پروفیسر صاحبان بھی بشارت صاحب سے بہت خوش رہتے تھے۔آپ پر بھروسہ کرتے تھے۔آپ میں انتظامی صلاحتیں بہت تھیں۔اساتذہ نے کوئی انتظامی کام کروانا ہوتا تو نگاہیں آپ کی طرف اٹھتی تھیں کیونکہ آپ ہونہار۔ذہین سعادت منداور نہایت درجہ اطاعت گزار تھے۔فٹ بال کے کھلاڑیوں کے لئے فیصل آباد سے بوٹ خریدے جاتے تھے۔کھلاڑی خود فیصل آباد جاکر اپنے سائزاور پسند کے بوٹ خرید لیتے یا کسی ساتھی کو اپنے پاؤں کا خاکہ کاغذ پر بنا کر دے دیتے وہ اسی اندازے کے مطابق بوٹ خرید لاتا۔وہ اسے پورے آئیں یا نہ آئیں آگے اُس کی قسمت۔۔!!!لیکن بشارت صاحب نے بوٹ میکر کو ساتھ لیااور فیصل آباد سے بوٹوں کی بوریاں بھر کر بس کی چھت پر رکھیں اور کالج کی گراؤنڈ میں لے آئے۔وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جب گراؤنڈ میں بوٹوں کا میلہ سجا ہوا تھا۔بڑے سے بڑا کام کر کے بھی آئیں تو آپ کو نام اور ناک اونچا کرنے کی کبھی تمنا نہیں ہوتی

تھی۔اور نہ ہی یہ خواہش کہ کوئی میری تعریف کرے۔داد اور شاباش سے بھی بہت بے نیاز تھے۔انہیں ہر کام میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا شوق تھا والد صاحب کی ملازمت کے سلسلہ میں انہیں مختلف علاقوں میں رہنا پڑتا تھا اسی نسبت سے انہوں نے بہت سی علاقائی زبانیں بھی سیکھی ہوئی تھیں۔خاص طور پر انگلش جرمن عربی فارسی پشتو اور سندھی روانی سے بولنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔

ملٹری میں رہ کر کامل وفاؤں کے ساتھ ناموسِ وطن کی حفاظت کی۔

سرفروشی ہے ایماں تمہارا جرائتوں کے پرستار ہو تم جو حفاظت کرے سرحدوں کی وہ فلک بوس دیوار ہو تم

فوج سے سبکدوش ہوئے۔اور حقِ خدمت ادا کرتے ہوئے غازی بن کر واپس لوٹے۔

ایہہ شیر بہادر غازی نے ایہہ کسے کولوں وی ہردے نہیں اناں دشمناں کولوں کی ڈرنا،ایہہ موت کولوں وی ڈردے نہیں

1987 میں وہ جرمنی آ گئے۔اچانک ایک دن جلسہ سالانہ پر ملاقات ہو گئی۔گذرے ہوئے وقتوں کی خوشگوار یادوں کے جہانوں کے جہان کھلتے چلے گئے۔فرمانے لگے کہ میرے دل کے دو اپریشن ہو چکے ہیں یہ سن کر مجھے ایک دھچکا سا لگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ اور عزم کے ساتھ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی بیماری کے متعلق کبھی سوچا ہی نہیں کیونکہ میرا پختہ ایمان ہے کہ زندگی اور موت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔اس لئے ڈر کس بات کا۔۔۔؟؟؟

اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بھی اُن کا سلوک اس ارشاد نبویؐ کے مطابق تھا کہ خیر کم خیرکم لِاہلہٖ۔ جماعتی خدمات میں خود بھی پیش پیش تھے اپنے بچوں کی بھی اسی نہج پر تربیت کی کہ وہ بھی انہی راہوں پر وفا کے ساتھ قدم مار رہے ہیں۔انہوں نے نہ کسی کو ہاتھ سے اور نہ ہی زبان سے گزند پہنچایا۔

اے جانے والے اللہ تعالیٰ کی تجھ پر ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں۔اور تیری نسل کا آپ نگران و نگہبان ہو۔خلافت کی دہلیز سے انہیں ہمیشہ وابستہ رکھے۔کیونکہ اسی سے ہی یہ جہان سنورتا ہے اور اسی سے ہی اگلا جہان سنورتا ہے۔آمین۔یادوں کا سیلِ رواں کسی تصنّع بناوٹ اور ترتیب و ترکیب کا محتاج نہیں ہوتا۔اس لئے بلا لحاظِ ترتیب و ربط جوں جوں ذہن میں یادوں کے دریچے کھلتے گئے وہ لفظوں میں ڈھلتے گئے۔عرصہ نصف صدی بیت گیا لیکن ربوہ میں گزرے ہوئے اُن دنوں کی یادیں ابھی بھی ایک ہجوم بن کر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔بھلا کون بھلا سکتا ہے ربوہ کے کلر کو اور کابلی کیکر کے کانٹے کی پیار بھری چُبھن کو بیرونی دنیا کی رنگینیاں اور مٹھاس جن کے مقابل پر ہیچ نظر آتی ہیں۔

اک بار جو بھی آیا وہ واپس نہ جا سکا اے ربوہ تو ہے عشق کا سرمایہ دار کیوں؟

''تمہاری یاد کی پرچھائیاں ہیں تم نہیں ہو''

(مکرم ڈاکٹر عمران احمد خان صاحب۔ربوہ)

اتوار 25مئی2014 معمول کاایک گرم دن تھا۔دوپہر ایک بجے طاہر ہارٹ سے نکل کر خارجی دروازے کی طرف جاتے ہوئے گھنی چھاؤں والے راستہ پر مجھے محسوس ہوا کہ سامنے سے آنے والے قدم میری طرف بڑھ رہے ہیں بغلگیر ہونے پر میں نے بھی اپنے حصے کا حق ادا کر دیا لیکن پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔ایک قدم پیچھے ہو کر دیکھا تو وہی شائستگی سے پُر، متبسم ،نرم خو اور خوبرو ڈاکٹر مہدی علی عرصہ بیس سال بعد میرے روبرو تھے۔حال احوال دریافت کرنے کے بعد میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اپنے پیشہ میں اتنی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھنے پر کچھ وقت طاہر ہارٹ کے لئے بھی دیں۔انہوں نے بتایا میں اسی مقصد کے تحت یہاں آیا ہوں۔ہم تفصیلاً ملاقات کے وعدہ پر جدا ہوئے۔

اگلے روز بعد از فجر میں نے ڈاکٹر منیر مبشر صاحب کو جو میرے ہمسائے ہیں ڈاکٹر مہدی کی آمد کا بتایا ہم گھر داخل ہونے تک اُن کے ساتھ گذرے ہوئے آخری دنوں کی باتیں یاد کرتے رہے اور فیصلہ کیا کہ وقت نکال کر اُن سے اِس بار ضرور ملیں گے۔

ڈاکٹر منیر مبشر صاحب نے بتایا کہ 1992 کے سیلاب میں مجھے فوری طور پر دریائے چناب کے مغربی کنارے پر واقع ایک دور افتادہ گاؤں ''ٹھٹھی با لاراجہ'' میں طبّی کیمپ لگانے کے لئے دوائیں ڈاکٹر مہدی علی تک پہنچانے کا کہا گیا۔وہ اُسوقت وہاں ضلع کونسل ڈسپنسری میں بطور میڈیکل آفیسر تعینات تھے۔اور پھر کھلی فضا میں درختوں کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھ کر سبزی اور تندوری روٹیوں کا لنچ یاد کرتے رہے۔

میں نے اِسی سیلاب میں بعد ازاں ضلع سرگودھا کے دریائے جہلم کے مشرقی کنارے سے متصل علاقے میں اپنے ریلیف کیمپ کو یاد کیا۔میجر سعدی صاحب کی نگرانی میں خدام دن بھر منہدم شدہ گھروں کی تعمیر کرنے میں مدد کرتے ،میں،ڈاکٹر سید مشہود احمد صاحب اور ڈاکٹر مہدی علی صاحب دواؤں کے ڈبے جیپ سے اُتار کر مختلف آبادیوں کی طرف نکل جاتے۔خالصتاً دیسی ماحول میں کام پر جانے سے پہلے کھیتوں کی طرف رُخ کر کے نئی جگہ کا تعین اور اکتوبر کی خنک راتوں میں خیموں میں زمین پر سونا مشکل ترین مرحلہ ہوتا۔سونے سے پہلے سانپوں کا ذکر ضرور ہوتا اور پھر یہ کہ آج میں درمیان میں سوؤں گا باہر کی طرف تمہاری باری ہے۔ہنستے بولتے نیند آہی جاتی۔دراصل ایک خادم جو بطور باورچی کی ڈیوٹی کے گذشتہ ایک ماہ سے کیمپ کے ساتھ تھا،سوتے میں سانپ سے کھیلتا رہا تھا۔یہ ہے ڈاکٹر مہدی علی صاحب کے عملی زندگی کے آغاز کی ایک جھلک۔سازگار ماحول کے میسر آنے پر انہوں نے محنت سے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو اوجِ کمال تک پہنچایا۔یہ نافع الناس وجود شروع سے آخر تک اپنے علم اور وسائل سے درجہ بدرجہ اُسی جذبہ خدمتِ خلق سے بلا تخصیص معاشرے کے ہر طبقہ کو مستفید کرتا رہا اور اسی وجہ سے وہ ایک غیر معمولی ڈاکٹر کہلانے کا مستحق بنا۔

صبح ساڑھے چھ بجے موبائل کی گھنٹی بجی،دل دھک سے رہ گیا۔ایسے وقت میں ڈاکٹر منیر مبشر صاحب کا فون تب ہی آتا ہے جب کوئی خاص بات ہو۔جو سنا وہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔وہ پنچھی جس نے سات سمندر پار سے اُڑان بھری،شربت وصل بقا پینے کیلئے اپنے آبائی قطعہ ارضی پر اُترا،پلک جھپکنے

میں نفس مطمئنّہ کے ساتھ اپنے رب کی طرف ہمیشہ کے لئے لوٹ گیا تھا۔ یقیناً ہم اُسی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ جیتے جی اپنے گھر، محلہ، اِداروں اور جماعت کے لئے جیسے وہ صاحبِ افتخار تھا اُس کی رخصتی بھی اسی کے شایان شان تھی۔

ہم نے اُن کی ہجرت سے قبل تیس سال کا عرصہ محلہ میں اکٹھے گزارا۔ اُن کے اوصاف کا ذکر تو چلتا رہے گا۔ حضور ایداللہ تعالیٰ ان کی صلاحیتوں اور حسنِ اخلاق کا ہو بہو خلاصہ اپنے خطبہ جمعہ میں بیان فرما چکے ہیں۔ اگر اُن کی شخصیت کو ایک لفظ میں سمونا ہو تو وہ انگلش کی " pleasant personality" اردو کی "دلآویز شخصیت" اور پنجابی کا "بیبا بندہ" تھا۔ اِس کا صحیح احساس تو اُسے ہی ہو سکتا ہے جو اُن کے قریب رہا ہو۔ اُن کی شخصیت پر سب سے موزوں تبصرہ ان کے بیٹے کا ہے کہ اگر اُن پر وار کرنے والے ان سے مل لیتے تو وہ ان کی زندگی میں بھی کوئی مثبت تبدیلی لے آتے۔ خاطر جمع رکھیں جمالی دور کے یہ مظاہر ہی دنیا میں امن کی ضمانت بنیں گے۔

اُس دن ڈیوٹی پر جاتے ہوئے میں اُن کے گھر جواب بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے کے سامنے سے گزرا تو پاؤں رک سے گئے۔ یہ ایک شاد آباد گھر تھا اور محلہ میں اِسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ تمام گھر ہی خدمت پر کمربستہ تھا۔ خود ڈاکٹر مہدی علی ہر سطح پر ذیلی تنظیموں کے فعال ممبر اور عہدے دار رہے۔ ان کی والدہ، خالہ نجمہ ابتدا سے لیکر 1993 تک جب وہ خرابی صحت پر بیرون ملک چلی گیئں لجنہ کی جنرل سیکرٹری یا صدر رہیں ۔اُن کے تمام بچوں کے سعید فطرت ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ تقریباً ۳۵ سال تک اُنکی والدہ کے دورِ صدارت میں اُن کے گھر لجنہ کے اِجلاس اور تربیتی پروگرام ہوتے رہے۔ مہدی علی کے والد محترم چوہدری فرزند علی صاحب نے بھی بطور صدر محلہ کام کیا۔ اُن کے بھائی ہادی علی صاحب دھیمے ، متین اور قابل مربی سلسلہ آج کل کینیڈا میں خدمات بجالا رہے ہیں۔ میں نے سوچا جو چمن اخلاص و وفا اور خدمت واطاعت کے پانیوں سے سیراب ہوں ایسے گل رعنا اُن ہی میں کھلا کرتے ہیں اور آگے گذر گیا۔

اپنے عہد کو پورا کرنے والے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے خدا سے اِس کا اجر پائیں گے۔ اُن کی کمی ہمیں ہر گام پر محسوس ہوتی رہے گی اور اُن کی یاد ہمارے دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ کبھی محو نہیں ہو سکتی۔

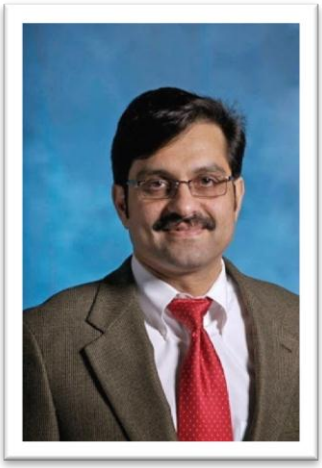

"تمہاری یاد کی پرچھائیاں ہیں تم نہیں ہو"

وہی رنگِ شفق ، بھیگی ہوا ہے

سنہری صبح ہے ، بادِ صبا ہے

تم نہیں ہو

وہی آکاش پہ تاروں کا جھرمٹ

ندی میں چاند بھی، اترا ہوا ہے

تم نہیں ہو

خون سے رنگین، لالہ و گل

تمہارے حسن کی رعنائیاں ہیں

تم نہیں ہو

تمہیں میں ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے

تمہاری یاد کی پرچھائیاں ہیں

تم نہیں ہو

ڈاکٹر عمران احمد خان (ربوہ)

شام کے بعد

(ڈاکٹر مہدی علی قمر شہید)

(یہ مضمون میرے پیارے بھائی مہدی علی بشیر الدین قمر نے امی کی وفات کے بعد لکھا جو مئی 1995ء کے مصباح میں چھپا۔
26 مئی 2014ء کو مہدی کو ربوہ میں شہید کر دیا گیا۔اب میں نے یہ مضمون سب کے پڑھنے کے لئے دوبارہ لکھا ہے۔عفیفہ نجم)

7 مارچ 1994ء کی اُس سرد شام کو سینٹ مائیکل ہاسپٹل ٹورانٹو کے ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر اور باہر خاندان کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ تین سالہ احمد جو سارا دن دادی امّاں کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، آج جب بہت دنوں بعد اچانک اسے دادی امّاں نظر آئیں تو بہت خوش ہو کر بول اٹھا ''امّاں! دیکھو دادی امّاں! وہ دیکھو دادی امّاں''۔

کوئی جواب نہ پا کر حیرت سے باری باری اس نے سب کی طرف دیکھا۔ پھر سب کے افسردہ چہرے دیکھ کر خاموش ہو گیا لیکن اپنی معصوم آنکھوں سے جھانکنے والے سوالوں کو نہ چھپا سکا۔اس کی سمجھ میں شاید یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ دادی امّاں جو ہر وقت اسے پیار کرتی تھیں، آج اس سے بات کیوں نہیں کر رہیں اور سب لوگ اتنے خاموش کیوں ہیں۔اسے تو اسی روز سے دادی امّاں کی واپسی کا انتظار تھا جب سے وہ ہاسپٹل گئی تھیں۔آج اس کے انتظار کا خواب حقیقت کے سامنے دَم توڑ چکا تھا۔ بھرپور زندگی کی وہ کتاب آج موت کے گرد و پوش میں بند تھی۔قرآنِ پاک کی تلاوت سے تر رہنے والی زبان خاموش تھی اور وہ قدم بھی ساکت تھے جن کے نیچے میری جنّت تھی۔میری دعا جیسے مجھ سے رُوٹھ گئی ہو۔

اور میں ماضی اور مستقبل کے بیچوں بیچ حال کے پُل پر معلّق حیران پریشان کھڑا آنے والے دنوں کے اندیشوں کے درمیان بنتی ہوئی زندگی کی یادوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ذہن میں اُٹھنے والے اَن گنت سوال تھے اور کسی کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔

''کیا آج کا دن بھی ختم ہو گا؟'' ''شاید نہیں'' ''شاید ہاں''۔

ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو کسی موہوم سی امید کے سہارے میں امی کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا ''امی آپ ضرور ٹھیک ہو جائیں گی''۔

امی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا '' پتہ نہیں''۔مانیٹرز (monitors) کی سکرین پر روشن لکیریں میری امید کا منہ چڑا رہی تھیں۔

ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔

''اب امی کا کیا حال ہے؟ اور اگر کوئی بہت خطرناک بات نہیں تو میں گھر جاؤں'' آپا شمیم نے کہا۔''جی کوئی خاص بات نہیں۔آپ ابھی چلی جائیں۔ کوئی بات ہو گی تو میں فون کر دوں گا''۔

میں نے آپا کو گھر بھیج دیا۔ میں، ہادی بھائی اور عفیفہ ویٹنگ روم میں خاموش بیٹھے تھے کہ امی کی نرس نے آ کر کہا کہ ڈاکٹر آپ لوگوں سے میٹنگ کرنا چاہتے ہیں۔ کئی دنوں کی سر توڑ کوشش کے بعد آج ڈاکٹرز نے اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا۔

امید و یاس کے درمیان تو ہم بیماری کے پہلے دن ہی سے معلّق تھے لیکن اس ملاقات کے بعد سے تو امید کا دامن ہم سے چھوٹ چکا تھا۔ ہم ڈاکٹرز کا شکریہ ادا کر کے پھر ویٹنگ روم میں آ گئے۔ہادی بھائی کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

\"I am very sorry, your mother just expired"\ یہ کہہ کر وہ ہمیں دلاسہ دینے لگا۔ میں فوراً امی کے پاس پہنچا۔ وہ آخری سانس لے رہی تھیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

امی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ میرے ساتھ کھڑی ہوئی عفیفہ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور میں اسے تسلّی دینے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ گذشتہ کئی ہفتوں سے روح پر لمحہ لمحہ اترنے والے دکھوں کی کوکھ سے جنم لینے والا جدائی کا یہ ویران لمحہ آج اٹل تھا۔

امی کے سرہانے ابھی تک ننھی سارہ کی بڑے سے کاغذ پر خوبصورت رنگوں سے بنائی ہوئی تصویر لگی تھی جس پر لکھا تھا

Dear Nani Jan! Get well soon

from Sara

کچھ دیر کے بعد گھر کے سب لوگ آخری دیدار کے لئے ہسپتال پہنچ گئے۔ گذشتہ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں ہسپتال آنا جانا جیسے عادت سی بن گیا تھا۔ آج شام کے بعد سینٹ مائیکل ہاسپٹل سے گھر کے لئے نکلے تو ٹورانٹو کی تمام روشنیوں کے درمیان سے گذرتا ہوا میں طارق (میرا ماموں زاد بھائی) کی کار پچھلی سیٹ پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ روشنیوں کا یہ شہر آج بجھا بجھا سا کیوں ہے اور تاروں بھری یہ رات تاریک کیوں ہے۔ کار کے کیسٹ پلیئر سے کسی قاری کی آواز اُبھر رہی تھی جو سُوْرَۃُ التَّکْوِیْر کی تلاوت کر رہا تھا۔

یہ جنوری کے آخری ہفتہ کا پہلا دن تھا۔ ٹورانٹو میں موسم کی شدید ترین سردی پڑ رہی تھی۔ ٹمپریچر منفی 40 سینٹی گریڈ سے بھی نیچے جا رہا تھا۔ اس روز لائبریری سے واپسی میں معمول سے تھوڑی سی دیر ہو گئی (ان دنوں میں امتحان کی تیاری کر رہا تھا اور میں اور امی اشرف بھائی کے گھر رہ رہے تھے) رات ساڑھے گیارہ بجے دروازہ کھولا تو امی دروازے کے ساتھ دیوار سے سر ٹکائے بیٹھی تھیں۔

''آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟ ابھی تک سوئی کیوں نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''تم جو اتنی دیر سے آئے ہو تو مجھے فکر تھی اور باہر سردی بھی تو بہت زیادہ ہے'' امی فکر مند لہجے میں بول رہی تھیں۔

''امتحان میں تھوڑے دن ہیں اور اس کی تیاری بھی تو بہت ضروری ہے'' میں نے گلوز (GLOVES) اتارتے ہوئے کہا۔

میرے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔

''دیکھ تیرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہیں''۔ امی میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے گرم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ''اگر تجھے کچھ ہو جاتا تو....... کبھی تو ماں کا خیال بھی کر لیا کرو''۔ امی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آپ کی دعائیں ہیں تو مجھے کچھ نہیں ہونے والا'' میں نے کہا۔

''اچھا چل زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں کھانا گرم کر دیتی ہوں اور آئندہ ایسی حرکت کی تو مار بھی پڑے گی''۔ اس مصنوعی سرزنش میں سارے جہان کا پیار سمٹ آیا تھا۔ کھانا کھاتے وقت خود سے شرمندہ ہوتا رہا کہ میری وجہ سے امی کو اتنی پریشانی ہوئی۔ اگلے دن میں گھر جلدی واپس آ گیا۔

صبح اُٹھا تو امی قیمہ بھرے پراٹھے بنا رہی تھیں۔ ''امی پراٹھے نہ بنایا کریں۔ میں نہیں کھاتا یہ پراٹھے وراٹھے''۔ میں نے کہا

''بیٹا میرا جی چاہتا ہے کہ تجھے مزے مزے کی چیزیں پکا کر کھلاؤں اور تو سارا دن مجھے کچھ کرنا نہیں ہوتا''۔

امی کی اس بات پر میں خاموش ہو گیا۔ ناشتے میں بھی پراٹھے کھائے اور دوپہر کے کھانے کے لئے بھی لے گیا۔ ماں کے پکائے ہوئے کھانے کی لذّت تھی یا شاید اس لئے کہ وہ آخری کھانا تھا جو امی نے میرے لئے بنایا۔

گھر سے نکلتے وقت بہت سارے خط امی نے میرے ہاتھ میں تھما دیئے جو انہوں نے پاکستان میں اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔ ''انہیں پوسٹ کر دینا''۔

اگلے روز FREEZING RAIN کی وجہ سے سڑکوں پر بہت پھسلن تھی۔ میں لائبریری نہ جاسکا۔ شام کے وقت امی حسبِ معمول EXERCISE کر رہی تھیں۔ سڑکوں کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ امی نے اشرف بھائی اور بچوں کے ساتھ ڈاکٹر سے چیک اَپ کروایا اور واپسی پر کسی ریسٹورنٹ سے کھانا بھی کھایا۔ سب باتیں معمول کے مطابق تھیں۔

اگلے دن میں جب تیار ہونے کے لئے اپنے کمرے سے نکلا تو امی واش روم میں کھڑی تھیں۔ مجھے عجیب سا محسوس ہوا۔ ''امی! کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔ امی نے بتایا کہ صبح سے ان کی طبیعت خراب ہے۔ کئی مرتبہ قے کی اور بے چینی بہت ہے۔

''آئیں آپ کا چیک اَپ کریں'' میں نے کہا۔ بلڈ پریشر، نبض سب ٹھیک تھے۔ کوئی خاص علامت نہیں تھی۔

''شاید رات باہر کھانا کھانے سے یہ پرابلم ہو گیا ہے؟'' میں نے سوچا اور قے روکنے کی ایک گولی امی کو دے دی۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد امی کچھ بہتر محسوس کر رہی تھیں۔

''کچھ ناشتہ وغیرہ کر لیں''۔ میں نے کہا اور پھر امی کو کچن میں لے جا کر ناشتہ کروایا۔ تھوڑی دیر بعد پھر قے آگئی۔ دوبارہ دوا دینے کے بعد فیملی ڈاکٹر سے مشورہ کیا۔ اس نے جو دوا بتائی وہ بھی لا کر استعمال کروادی۔ ''آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے میں گھر پر رُک جاتا ہوں''۔ میں نے کہا۔

''نہیں اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں، اس لئے تم جاؤ''۔

امی کے اصرار پر میں لائبریری آگیا۔ گھر پر بھابھی اور بچے امی کے پاس تھے۔ میں وقفے وقفے سے فون کر کے پوچھتا رہا۔ طبیعت کبھی گرتی اور کبھی سنبھل جاتی۔ کوئی بہت پریشانی کی بات نہیں لگ رہی تھی۔ اس روز میں سرِ شام ہی گھر واپس آگیا۔ امی کا چہرہ دیکھتے ہی مجھے فکر سی ہوئی۔ ''امی کو ہسپتال لے جا کر سب ٹیسٹ کروانے چاہئیں'' میں نے اشرف بھائی سے کہا۔

میں جلدی جلدی کھانا کھا کر اُٹھا تو امی ہسپتال جانے کے لئے تیار تھیں۔ ''دادی امّاں کب واپس آئیں گی'' شیری نے پوچھا۔

''دادی امّاں جلدی آجانا'' احمد کہنے لگا۔ ''ہاں بیٹا میں ابھی ٹیسٹ کروا کے آجاتی ہوں'' امی دونوں کو پیار کر کے کہنے لگیں۔

اگلے ہی لمحے امی گھر سے باہر نکل رہی تھیں..... کبھی واپس نہ آنے کے لئے.....

ہم سکاربروجنرل ہاسپٹل کے ایمرجنسی وارڈ کے ایک کمرہ میں تھے۔ معائنہ کے بعد امی کو ڈرپ لگا دی گئی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق پیٹ کی عام سی خرابی تھی۔ ''میری وجہ سے تم یہ کس مصیبت میں پڑ گئے ہو'' امی کو خود سے زیادہ میری فکر تھی۔ ''یہ مصیبت تو نہیں۔ یہ موقع تو کسی کسی کو ہی ملتا ہے اور میرے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے'' میں امی کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے تھامے کھڑا تھا۔

''اچھا بیٹا! اللہ تجھے کامیاب کرے۔ بہت خوشیاں دے'' یہ کہہ کر امی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب وہ کافی پُر سکون لگ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد امی کی

سانس اچانک تیز تیز چلنے لگی۔ ''میری تو سانس پھول رہی ہے۔ بے چینی ہو رہی ہے'' امی نے بڑی مشکل سے کہا۔

میں فوراً ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر ای سی جی لے رہا تھا۔ ای سی جی کے کاغذ کا وہ بے وزن ٹکڑا پتھر کی طرح میرے کتنے ہی خوابوں کو کچلتا ہوا مشین سے باہر نکل رہا تھا۔ اس پر مشینی زبان میں کالی لمبی لکیروں سے لکھے ہوئے جدائی کے موسم تھے اور اس سفر کی ابتدا جس کا ہر موڑ اجل تھا۔ ''کیا انہیں پہلے کبھی دل کی تکلیف ہوئی ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''نہیں، کبھی نہیں'' میں نے ڈاکٹر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ میں حقیقت سے نظریں چرا رہا تھا۔

''آپ کی امی کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ہم انہیں کسی دوسرے کمرے میں منتقل کر رہے ہیں''۔ ڈاکٹر نے کمرے سے باہر نکل کر کہا۔

میں شکستہ دل کے اس لمحے کا تنہا مسافر سوچ رہا تھا کہ آدھی رات کے اس پل میں اپنے لٹنے کی صدا کسے دوں؟

امی کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ ''آپ کی امی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور ہارٹ اٹیک کا مطلب ہوتا ہے.....'' ڈاکٹر نے مجھے تفصیل سمجھانا شروع کی۔

''میں خود بھی ڈاکٹر ہوں'' میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈاکٹر کی بات کاٹی۔ میں اپنے خوف کو لفظوں کی صورت میں سننے کا حوصلہ نہ کر سکا۔

''اوہ! یہ تو اچھی بات ہے۔ ہم انہیں STREPTOKINASE (ایک دوا جو ہارٹ اٹیک کے ابتدائی وقت میں دیتے ہیں) دینا چاہتے ہیں۔ تمہاری اجازت چاہئے''۔ ڈاکٹر کا کام قدرے آسان ہو گیا تھا۔

فیصلے کا بوجھ میرے کندھوں پر تھا۔ میں فائدے اور نقصان کا موازنہ کر رہا تھا۔ چند لمحوں کی اندرونی کشمکش کے بعد میں نے انجکشن کی اجازت دے دی۔ میری نظریں برابر CARDIAC MONITOR پر جمی ہوئی تھیں۔ ای سی جی لمحہ بہ لمحہ بہتر ہو رہی تھی۔ دوا کا مثبت اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ ایسے میں امی کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد نیند بھی آجاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پوچھتیں ''ابھی تک جاگ رہے ہو؟ کہیں جا کر سو جاؤ''۔ ''بار بار یہ کیا بات کر رہی ہیں'' نرس نے پوچھا۔ ''انہیں میری فکر ہے'' میں نے کہا۔ نرس ہنستے ہوئے کہنے لگی کہ تم اتنے بڑے ہو گئے ہو اور ابھی بھی یہ تمہارے لئے فکر مند ہیں۔ میں نے امی سے کہا کہ آپ بس آرام سے سو جائیں اور میری فکر بالکل نہ کریں۔

''تمہاری فکر نہ کروں تو کس کی فکر کروں گی'' امی نے کہا۔ میں نے امی کی توجہ بانٹنے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

رات کے پچھلے پہر صورتِ حال پھر بگڑنی شروع ہو گئی۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔ امی HEART BLOCK میں جا رہی تھیں۔ میں رات بھر لکیروں کے بننے اور بگڑنے کا کھیل دیکھتا رہا۔ جب آنے والے دنوں کے بھیانک اندیشے آنکھوں سے چھلکنے لگتے تو میں اُٹھ کر باہر آجاتا۔ رات بھر میں خدا سے ایک ناممکن سی دعا مانگتا رہا ''اے میری سانس کے مالک! میری حیات کے لمحوں کی زندگی بھی امی کو دے دے''۔

صبح تک دل کی دھڑکن بہت زیادہ بے ترتیب ہو چکی تھی۔ ''شاید PACE MAKER لگانا پڑے'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''عارضی یا مستقل؟'' میں نے پوچھا۔ ''اس کا فیصلہ تو بعد میں ہو گا'' ڈاکٹر نے بتایا۔

امی اب جاگ رہی تھیں اور انہیں یہ فکر تھی کہ میں ابھی تک سویا کیوں نہیں۔ صبح گیارہ بجے اشرف بھائی اور ان کے بچے آگئے۔ بچوں کو دیکھتے ہی امی کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ ''دادی اماں آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گی۔ ہم آپ کے لئے دعا کر رہے ہیں''۔ تینوں نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔ کسے خبر تھی کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ احمد اسی وقت اپنے ساتھ دادی اماں کو گھر واپس لے جانا چاہتا تھا۔ اشرف بھائی امی کے پاس ٹھہر گئے اور میں گھر واپس آگیا۔ امی کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بے ترتیب ہو رہی تھی۔

وہ THIRD DEGREE HEART BLOCK میں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد انہیں PACE MAKER لگا دیا گیا۔ رات ہاسپٹل واپس گیا تو امی کو C.C.U میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ دل PACE MAKER کے سہارے چل رہا تھا لیکن خون صحیح طرح سے پمپ نہیں کر رہا تھا۔ میری پریشانی گہری ہوتی گئی۔ اگلے روز دوپہر تک امی شدید HEART FAILURE میں تھیں۔ میں ہاسپٹل سے بھابھی کو فون پر کہہ رہا تھا کہ سب بہن بھائیوں کو بلا لیں۔ ٹورانٹو میں موجود اپنے لوگ امی سے ملنے آ رہے تھے۔

شام تک امی کی حالت خاصی سنبھل گئی اور وہ رات پُر سکون گزری لیکن اگلے دن پھر صبح سے طبیعت بتدریج بگڑ رہی تھی۔ سہ پہر کے قریب امی SHOCK میں جا چکی تھیں۔ میں ایک دفعہ پھر بھابھی کو گھبرائے ہوئے لہجے میں فون کر رہا تھا "ثمینہ سے کہیں کہ پہلی فلائٹ سے پہنچ جائے اور ہادی بھائی اور عفیفہ بھی جتنی جلدی ہو سکے آ جائیں"۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی بھی امی سے بات کر سکے گا۔

آئندہ چوبیس گھنٹے امی کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی رہی۔ شام کو میں امی کو بتا رہا تھا "ثمینہ آپ سے ملنے آ رہی ہے۔ نیو جرسی سے دوپہر کو چلے ہیں، رات بارہ ایک بجے تک پہنچ جائیں گے"۔ "میں ٹھیک ہوں۔ تم نے اسے کیوں بلایا ہے۔ اللہ میری بچی کو اپنی حفاظت میں رکھے"۔ اب امی کو ثمینہ کی فکر تھی۔ جب تک اسے اپنے سامنے دیکھ نہیں لیا بار بار مجھ سے وقت پوچھتی رہیں۔

رات کے تین بجے میں اکیلا ویٹنگ روم کے صوفے پر بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ امی کی سنبھلتی ہوئی حالت دیکھ کر ذہن کچھ پُر سکون تھا۔ نیند آنے لگی تو سوچا ایک دفعہ پھر امی کو دیکھ آؤں۔ مانیٹر (MONITOR) پر آنے والی ای سی جی دیکھ کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی۔ میں گم سم مانیٹر پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی۔

"اپنے کندھے پر کسی ہاتھ کا دباؤ محسوس کرتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ نرس کہہ رہی تھی Are you OK?"

"THAT WAS ONLY SINUS TACHYCARDIA. MAY BE HER HEART IS GETTING ITS OWN RYTHM."

میں کچھ سوچتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ یہ واقعہ اس رات کئی مرتبہ ہوا۔ بلڈ پریشر برابر نیچے گر رہا تھا۔ "ان کے دل میں ایک سوراخ ہو رہا ہے

"SHE IS GETTING A SMALL VENTRICULAR SEPTAL DEFECTS"

ڈاکٹر چیری صبح نو بجے مجھے بتا رہا تھا۔ "کسی بھی وقت ہم آپریشن کے لئے انہیں دوسرے ہاسپٹل میں منتقل کر دیں گے"۔

"یہ تو ماں کا دل ہے جس میں پیار ہی پیار بھرا ہے۔ پھر اس کے لئے اتنے زخم کیوں؟" بار بار ذہن میں چبھنے والے اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میں گھر واپس پہنچا ہی تھا کہ ثمینہ کا فون آیا۔ "امی کو سینٹ مائیکل ہسپتال لے جا رہے ہیں۔ فوراً آ جاؤ"۔

میں اُلٹے قدموں ہاسپٹل کے گیٹ پر پہنچا تو امی کا سٹریچر ایمبولینس کے اندر رکھا جا رہا تھا۔

"امی آپ ٹھیک ہو جائیں گی" میں نے اندرونی کیفیت پر مصنوعی مسکراہٹ کا خول چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اللہ نے چاہا تو" امی کی آواز میں عزم کی مضبوطی نمایاں تھی۔ چند لمحوں بعد امی ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہہ رہی تھیں۔ ٹورانٹو کی برفیلی ہوا جیسے میرے جسم کو چیر کر نکل رہی تھی۔

"ہادی بھائی آج دوپہر کو پہنچنے والے ہیں اور عفیفہ بھی کل پہنچے گی" میں سینٹ مائیکل ہاسپٹل کے کارڈیالوجی وارڈ کے باہر بیٹھا سوچ رہا تھا، "اور پتہ

نہیں اس وقت تک کیا ہو جائے"۔

امی کا معائنہ ہو رہا تھا اور آپریشن کا فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔ آپریشن کی صورت میں زندگی کی امید ایک فیصد سے بھی کم تھی۔ میرا ذہن میرا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔

"ایک اچھی خبر ہے" اشرف بھائی کی آواز جیسے مجھے دنیا میں واپس لے آئی۔ "آپریشن کی ضرورت نہیں۔ سوراخ بہت چھوٹا ہے۔ امید ہے خود بخود بند ہو جائے گا"۔ اس خوشخبری کا معمار ڈاکٹر فری مین میرے سامنے کھڑا مستقبل کے امکانات بتا رہا تھا۔ یہ امید زیادہ مضبوط نہ تھی مگر کچھ اور دن بہر حال زندگی میں شامل ہو گئے تھے۔ دورانِ خون بہتر بنانے کے لئے INTRA-AORTIC PUMP BALLOON لگا دیا گیا تھا۔ اس روز شام کو ہادی بھائی اور اگلے دن عفیفہ بھی آ گئی۔

"تم اتنا سفر کر کے کیوں آئی ہو۔ میں تو اب ٹھیک ہو رہی ہوں" امی عفیفہ سے کہہ رہی تھیں۔ پھر کہنے لگیں "تمہیں کتنی مشکل ہوئی ہو گی لیکن تم آئی ہو تو دل خوش ہو گیا ہے"۔ امی کی حالت پھر سے بہتر ہونے لگی۔

"آپ کی والدہ تو معجزانہ طور پر ٹھیک ہو رہی ہیں"۔ تجربہ کار ڈاکٹر فری مین کے لئے بھی یہ عجیب بات تھی۔ دوسرے دن BALLOON PUMP اور PACE MAKER ہٹا لئے گئے۔ یہ ہسپتال میں امی کا ساتواں دن تھا۔

آج سب بہت خوش تھے لیکن میرا دل عجیب سی فکر میں مبتلا تھا۔ کیا امی کا دل BALLOON PUMP کے بغیر مؤثر کام کر سکے گا؟ اس سوال کا جواب صرف وقت تھا۔ "حضور کا خط آیا ہے۔ آپ کے لئے دعا کی ہے" کسی نے بتایا۔ "واہ نجمہ تیریاں شاناں! دیکھ حضرت صاحب بھی تیرے لئے دعا کر رہے ہیں"۔ امی جذباتی ہو رہی تھیں۔ "یہ صرف خدمتِ دین کا ہی نتیجہ ہے کہ حضور بھی میرے لئے دعا کر رہے ہیں اور نئی زندگی جو خدا نے مجھے دی ہے اسی لئے ہے کہ میں یہ وقت بھی دین کی خدمت میں صرف کروں"۔

امی گھر جانے کے خیال سے بہت خوش تھیں۔ انہیں رمضان کے روزے رکھنا تھے اور بیت السّلام ٹورانٹو میں اعتکاف بیٹھنا تھا۔

ہماری کوشش تھی کہ امی کو نیند کے لئے وقت ملے اس لئے ان کے پاس زیادہ نہ ٹھہرتے۔ لیکن امی کو تو جیسے دنیا جہان کی فکر تھی، صرف اپنی فکر نہ تھی۔ ارشد کو کسی طرح یہاں بلوالو... عدیل کے رشتہ کا کیا بنا؟ امجد کا کیا حال ہے؟ حلیمہ نے خط میں کیا لکھا ہے؟ ربوہ سے آنے والے خط پڑھ کر سناؤ..... کتنی ہی باتیں اس تھوڑے سے وقت میں آپ نے کر ڈالیں۔

دوپہر کے وقت کچھ دیر امی کے پاس ٹھہرنے کے بعد میں جانے لگا تو کوئی بات شروع کر کے مجھے روک لیا۔ "امی آپ کچھ دیر کے لئے سو جائیں" میں نے امی سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ اب تم سب ہر وقت میرے پاس رہو اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی میری نظروں سے دور نہ رہو" امی نے کہا۔ "اگر اللہ نے چاہا تو دو چار دن تک آپ گھر آ جائیں گی تو خوب باتیں ہوں گی" میں نے تسلّی دی۔

دن بھر بہت سے لوگ ملنے آئے۔ ثمینہ واپس نیو جرسی چلی گئی۔ امی کے کمرے میں فون لگا دیا گیا تھا۔ رات کو کسی کو بھی ہاسپٹل ٹھہرنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ ہاسپٹل والوں کے خیال میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ امی لائن پر تھیں۔ ہم لوگ کچھ دیر امی سے ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ فون بند ہوا تو میں آخری مرتبہ امی کی آواز سن چکا تھا۔

"صبح دس بجے ہاسپٹل چلیں گے" میں ہادی بھائی سے پروگرام طے کر کے سو گیا۔

''اُٹھو، جلدی سے تیار ہو جاؤ، ہاسپٹل جانا ہے۔امی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے''۔ہادی بھائی صبح سات بجے ہی مجھے جگاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ابھی امی کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھیں تم کب آرہے ہو۔ یہ کب مجھے اس مصیبت سے نکالیں گے۔ یہ کہتے ہوئے امی کی سانس اُکھڑ گئی اور ریسیور ان کے ہاتھ سے گر گیا''۔میرا خوف سچ تھا۔

ہاسپٹل پہنچتے ہی کارڈیالوجی وارڈ کے MALE NURSE کا سامنا ہوا۔ ''آپ کی والدہ کی طبیعت صبح بہت خراب ہوگئی اور انہیں CARDIAC ARREST ہوگیا۔ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی''..... میرا جی چاہا کہ کاش اس سے آگے وہ ایک لفظ بھی نہ بولے ''اور آخر کار وہ انہیں بچانے میں کامیاب ہوگئے لیکن حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں''۔اس کی آنکھیں نم تھیں اور وہ بھرّائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''انہوں نے مجھے کہا تھا کہ تم بھی میرے بیٹے ہو اور وہ تو میری ماں کی طرح ہیں''۔

ان چند دنوں میں ہی امی کے پیار کے گہرے سائے میڈیکل سٹاف کے لوگوں پر بھی پڑ چکے تھے۔امی نے حیرت انگیز سرعت سے ایک ایسی زبان کو سمجھنا اور کسی حد تک بولنا شروع کر دیا تھا جو انہوں نے زندگی بھر نہ سیکھی تھی۔

کچھ دیر بعد ویٹنگ روم میں ڈاکٹروں کے ایک گروپ نے آج صبح کے واقعات دہرائے اور ہمیں امی سے ملنے کی اجازت دے دی۔ میں اور ہادی بھائی امی سے ملنے گئے تو ان کی سانس بری طرح اکھڑ رہی تھی اور وہ بات بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔ہم دل پر ایک بوجھ سا لئے کمرے سے باہر آ گئے۔چند دن پہلے اسی کمرے میں میں اور بھابھی امی کے پاس کھڑے امی کی باتیں ریکارڈ کر رہے تھے اور آج کی طرح اس دن بھی امید بہت کم تھی۔

امی کو RESPIRATOR لگانے کے بعد I.C.U میں شفٹ کر دیا گیا۔امی کی حالت اب بہتر تھی۔آپ کے حوصلے نے پھر ایک مرتبہ موت کو شکست دے دی تھی۔ میں جونہی امی کے پاس پہنچا امی نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔جی چاہا کہ وقت یہیں رک جائے اور میں یونہی امی کے سینے سے لگا رہوں۔امی کے دل کی دھڑکنوں کی بے ترتیب اور پیچیدہ آوازیں اس دل پر لگے ایک ایک زخم کا پتہ دے رہی تھیں۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جانے اس پیار کے کتنے پل باقی ہیں۔

آئندہ کئی دنوں میں یہ موقع کئی بار آیا۔گلے میں RESPIRATOR کی نالی کی وجہ سے امی بات نہ کر سکتی تھیں۔اشارے سے کاغذ پنسل مانگا اور لکھا ''ثمینہ کہاں ہے؟''۔''اسے اطلاع کر دی ہے۔کل تک آجائے گی'' میں نے جواب دیا۔امی پھر کچھ لکھ رہی تھیں۔

''ہادی اور اشرف کیوں نہیں آئے؟''۔''وہ گھر سے نکل چکے ہیں۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے'' میں نے کہا۔کچھ دیر بعد امی پھر کاغذ پر لکھ رہی تھیں ''ہادی اور اشرف ابھی تک نہیں آئے''۔اگلے ہی لمحے ہادی بھائی اور اشرف بھائی آ گئے۔''کل سے روزے شروع ہیں'' کسی نے امی کو بتایا۔امی کے چہرے پر دُکھ کا سایہ سا ٹھہر گیا.... روزوں اور اعتکاف سے محرومی کا دُکھ۔''آپ کی نیّت تھی اس لئے ثواب تو مل جائے گا'' میں نے امی کا دُکھ کم کرنے کی کوشش کی۔

آنے والا ہر دن نئی امید اور ہر رات نیا دُکھ لے کر آتے رہے۔ہر عمر اور ہر مذہب کے لوگ امی کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر حضور ایّدہُ اللہ تعالیٰ کی دعائیں بھی ہمسفر تھیں۔''اللہ میاں دادی اماں کو جلدی سے ٹھیک کر دے'' ننھے منّے بچوں کی معصوم زبانوں پر ایک ہی دعا تھی۔ ''امی! دادی اماں گھر کیوں نہیں آتیں۔دادی اماں آئیں گی تو ہم پھر مل کر ہنسا کریں گے''۔ثمین جو اکثر امی کو اپنی باتوں سے ہنسایا کرتی تھی، دادی اماں

کو بری طرح MISS کر رہی تھی۔

امی کو قرآن مجید سے بہت پیار تھا۔ ہمیشہ زبان پر قرآنی آیات رہتیں۔ ان دنوں ہم سب وقتاً فوقتاً انہیں قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔

لمحہ لمحہ پلکوں کی صلیبوں پر اترنے والے دُکھ لئے میں سارا وقت مانیٹرز کی طرف تکتا رہتا کہ امید کی کوئی لکیر تو مشین کی بے جان سطح پر ابھرے۔ یہاں تک کہ ایک دن ڈاکٹر فری مین اپنے ہی ہونٹوں سے دیئے ہوئے امید کے لفظ ہم سے واپس لینے آپہنچا۔ اس رات کھانا کھانے لگا تو پہلے ہی نوالے پر آنسو کچھ اس شدّت سے بہنے لگے کہ بغیر کچھ کھائے اُٹھ گیا۔ میں نے چاہا بھی مگر دل نہ سنبھلنا چاہا۔ میں اس آواز کے متعلق سوچ رہا تھا جو روزانہ تین مرتبہ مجھے کہتی ''مہدی کھانا تیار ہے۔ آجاؤ۔ ٹھنڈا نہ ہو جائے''۔ اس آواز کی گمشدگی کا عذاب میری آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ ''کیا ہم امی کو کبھی نہ دیکھ سکیں گے''۔ خوف کے نوکیلے پنجے میری سوچ کو بری طرح زخمی کر رہے تھے۔ اگلے ہی دن ڈاکٹر مائیکل ہماری ٹوٹی ہوئی امید کو سہارا دے رہا تھا۔ ''ہماری کوشش جاری رہے گی۔ اس حالت میں بھی بہت سی امید ابھی باقی ہے''۔

جمعے کی صبح تک امی کا سانس کافی سنبھل گیا تھا۔ صبح چھ بجے RESPIRATOR اتار دیا گیا۔ ''امی کھانسی کریں تاکہ آپ کے پھیپھڑے صاف ہو جائیں'' میں امی سے بار بار کہہ رہا تھا لیکن امی بالکل اس پر عمل نہیں کر پا رہی تھیں۔ درجنوں بار کہنے پر بھی وہ کھانسنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ امی کچھ کہنا چاہ رہی تھیں لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔ کئی دفعہ انہوں نے ایک ہی لفظ دہرایا جس کی مجھے بالکل سمجھ نہ آئی۔ پھیپھڑوں میں رطوبت (MUCUS) جمع ہوتی جا رہی تھی۔ سانس پھر پھول رہی تھی۔ دن کے گیارہ بجے پھر RESPIRATOR لگا دیا گیا۔ دل صحیح کام نہیں کر رہا تھا تو گردے بھی کافی خون نہ ملنے کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ اس کے لئے DIALYSIS کی گئی جس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جگر بھی ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا۔ اس دوران دو مرتبہ حرکتِ قلب بند بھی ہوئی لیکن ڈاکٹروں کی سر توڑ کوشش سے زندگی کے لمحے بڑھتے رہے۔ میڈیسن کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہارٹ اٹیک کی تقریباً ہر پیچیدگی امی کو ہو چکی تھی۔

ڈاکٹروں کی بے انتہا کوشش، نرسوں کی بہترین دیکھ بھال، جدید ٹیکنالوجی اور بے شمار لوگوں کی دن رات کی دعائیں قضا کے اس تیر کے آگے ڈھال نہ بن سکیں اور وہ چراغ جو سحر کے اجالوں کی دلیل تھا 7 مارچ 1994ء شام پانچ بجے غروبِ آفتاب سے تھوڑی دیر پہلے بُجھ گیا

دریا محبتوں کا جو بہتا تھا تھم گیا

آپ کا چھوڑا ہوا کل سرمایہ چند کپڑے، معمولی سا زیور اور کچھ ضروری کاغذات تھے۔ اس سکندر کے ہاتھ بھی خالی تھے۔ آپ کا ورثہ تو وہ دعائیں اور پیار تھا جو ہمیشہ ہمارے آس پاس رہا اور آپ کی زندگی کا حاصل زادِ آخرت ہی تھا۔

''کیا امی کی قبر ابّا جی کی قبر کے قریب بن سکتی ہے؟'' عفیفہ نے پوچھا۔ ''نہیں ابّا جی کی قبر اس قطعہ میں آخری تھی۔ اس کے آگے جگہ نہیں۔ میرا خیال ہے بہت مشکل ہے''۔ میرے جواب کے بعد خاموشی چھا گئی۔

دو دن بعد بیت السّلام ٹورانٹو میں ہادی بھائی نے امی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ ہلکی ہلکی برفباری ہو رہی تھی۔

عفیفہ اور ہادی بھائی کو آج واپس جانا تھا۔ ''اپنا خیال رکھنا'' عفیفہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مجھے نصیحت کی۔ ''کس کے لئے؟'' میں اتنا ہی سوچ سکا۔ ہم سب اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔

یہ دارالرحمت غربی ربوہ میں ہمارا گھر تھا جس کے دیوار و در پر گزری ہوئی تمام خوشیوں کی مہک اور دُکھوں کی کسک ابھی تک تازہ تھی۔ نجانے کتنی

آوازیں اس کی فضا میں بکھری ہوئی تھیں۔ تلاوت کی آواز، دُرِّ ثمین کی نظموں کی آواز، نصیحتوں کی آواز، اُٹھو عبادت کا وقت ہو گیا ہے، سحری کا وقت ہو گیا ہے، صَلِ عَلیٰ کے لئے جاؤ، آج وقارِ عمل ہے، سکول کے لئے تیار ہو جاؤ، اپنی چیزیں سونے سے پہلے تیار کر لیا کرو، مجھے ذرا یہ سالانہ رپورٹ FAIR کر دو۔ ہر آواز کا اپنا ایک پس منظر تھا۔ گھر کے ہر حصّے سے وابستہ ایک منفرد یاد تھی۔

اس صحن میں برسوں پہلے گرمیوں کے موسم میں رات کو میں امی کے ہاتھوں میں کتنے سکون سے سو جاتا تھا۔

یہ کچن ہے۔ کھانے کے وقت سب یہاں مل بیٹھتے تو کیسی مزے مزے کی باتیں ہوتیں اور پھر ہنسی کی کتنی آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتیں۔

یہ برآمدہ ہے جہاں امی اور لجنہ کی دوسری کارکنات چرخہ کات رہی ہیں۔ محلّہ کی لجنہ کے لئے دریاں بنانی ہیں اور سُوت تیار ہو رہا ہے اور اُدھر سردیوں میں غرباء کے لئے رضائیوں کا ڈھیر پڑا ہے۔

یہ گیلری ہے جہاں سیلاب زدگان اور 1974ء کے فسادات کے متاثرین کا امدادی سامان تقسیم ہو رہا ہے۔

امی کھانے کے کمرے کے سامنے کھڑی کسی عورت کو مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا رہی ہیں " یہ PAINTINGS ہادی نے بنائی ہیں۔ مہدی کی PAINTINGS ڈرائنگ روم میں ہیں۔ یہ ثمینہ نے بنایا ہے، یہ عفیفہ نے، یہ اشرف نے، یہ امجد نے اور یہ ارشد نے لکھا ہے"۔

اس گھر کا ہر بچہ کسی فن میں طاق تھا اور یہ امی اور ابّا جی کی تربیت اور دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا۔

اب میں اس بیڈ روم کے پاس کھڑا تھا جہاں میں نے اور امی نے ابّا جی کی آخری بیماری کے مشکل ترین سال گزارے تھے۔ ابّا جی بیماری کی وجہ سے بستر تک محدود ہو گئے تھے اور میں امی کی مدد کے خیال سے ان کے قریب سوتا کہ رات کو جب بھی ضرورت ہو میں اُٹھ جاؤں، امی کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن ایسے موقع پر ہمیشہ امی مجھ سے پہلے ابّا جی کے پاس موجود ہوتیں۔

کئی منظر میرے خیالوں میں مٹتے ابھرتے رہے۔ یہ گھر پیار کا ساحل تھا جہاں وقت کی لہروں نے لکڑی کا وہ تابوت سیپ کی طرح لا رکھا تھا جس میں کئی نایاب خوبیاں لئے ایک موتی تھا۔

راہِ مولیٰ کے شہید کی بیٹی تھی۔ احمدیت کی خاموش مجاہدہ، جو کسی کی امی تھی اور کسی کی بڑی امی، کسی کے لئے وہ خالہ تھی اور کسی کے لئے آپا۔ کتنے ہی مقدّس رشتے اس ایک وجود سے وابستہ تھے اور ہر رشتے کو اس نے خلوص سے نبھایا۔ ہر ایک سے پیار کرنے والی اور ہر ایک کو حوصلہ دینے والی وہ ہستی آج ہم میں نہیں تھی۔

کسی کے رونے کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ گھر پر کام کرنے والی ایک ملازمہ تھی۔ گھر اور زمین پر کام کرنے والی عورتیں بھی رو رہی تھیں۔ امی نے انہیں بھی ماں کا پیار ہی دیا تھا۔ ان کے سروں سے بھی حوصلوں کا سائبان اتر گیا تھا۔ "چوہدرانی تے فیر چوہدرانی ای سی نا" یہ کہتے ہوئے کوئی دیہاتی عورت امی کی ذات سے وابستہ کسی پیار بھری یاد کو دہرا رہی تھی۔

بیت المبارک میں نماز جنازہ کے لئے عصر کا وقت مقرر تھا۔ جنازہ اُٹھا تو ہر آنکھ نم تھی۔ ہم گھر کے چھوٹے صحن سے گذر رہے تھے۔ گھر کے اس حصّہ میں باقاعدہ ہر ہفتہ لجنہ کا اجلاس ہوتا اور دوسرے بہت سے فنکشن۔ اور ان سب سرگرمیوں کا مرکزی نقطہ امی ہوتی تھیں۔ امی کو بھی گھر کا یہ حصّہ بہت پسند تھا۔ میں نے گھر سے نکلتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ سب در و دیوار سلامت تھے لیکن ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گر گئی

بڑے گیٹ کے ساتھ برآمدے کی دیوار پر بوگن ویلیا کی بیل اور اس پر کھلے ہوئے سرخ پھول گھر کے ماتھے پر بندیا کی طرح سجے تھے۔ اس بیل کو بھی

انہی ہاتھوں نے سینچا تھا جنہوں نے میری پرورش کی تھی لیکن وہ ان ہاتھوں کی موت سے بے خبر ہمیشہ کی طرح سر بلند کئے مسکرا رہی تھی۔ کسی یاد نے میرے قدم روک لئے.....

کئی ماہ پہلے جب ہم کینیڈا جانے والے تھے تو امی ایک ہفتہ کے لئے لاہور چلی گئیں۔ تیسرے دن رات نو بجے دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس وقت کون آیا ہو گا؟ میں ذہن میں اندازے لگاتا ہوا دروازہ کھول رہا تھا۔ امی میرے سامنے کھڑی تھیں۔ ''آپ؟ آج ہی واپس آ گئیں؟ آپ کو تو ایک ہفتے بعد آنا تھا''۔ میں اِس بیل کے نیچے کھڑا امی سے بات کر رہا تھا۔

''میں تو تیرے لئے دو دِن میں ہی اتنی اداس ہو گئی کہ میں نے کہا مجھے ابھی واپس جانا ہے''۔ میں ساری عمر میں پہلی مرتبہ امی کی زبان سے اداسی کا اظہار سُن رہا تھا وہ بھی اپنے لئے۔ سب بچوں کو ایک ایک کر کے گھر سے رخصت کر دیا تھا اور ملال کی شکن تک ماتھے پر نہ لائی تھیں۔

اب امی اِس یک طرفہ سفر پر روانہ ہو چکی تھیں جس سے واپسی کا کوئی رستہ نہیں۔ میں سوچ رہا تھا ''کیا امی اب بھی میرے لئے اداس ہوں گی؟''..... آج اداس ہونے کی باری میری تھی.....

بہشتی مقبرہ پہنچ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ امی کی قبر کے لئے جگہ ابّا جی کے پاؤں کی طرف ملی تھی۔ انتظامیہ نے حال ہی میں اس قطعے کو بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا جس میں ابّا جی کی قبر آخری تھی۔ خدا تعالیٰ نے شاید دنیا کی طرح آخرت میں بھی ان دونوں کے ساتھ کا انتظام کر دیا تھا۔ ابّا جی کی وفات کے بعد بے شمار مرتبہ اسی جگہ میں نے کبھی اکیلے میں اور کبھی امی کے ساتھ ابّا جی کے لئے دعائیں کی تھیں۔ دعا کا یہی مقام امی کی آخری آرام گاہ کے طور پر منتخب ہوا تھا۔

تدفین کا عمل نجانے کتنی دیر جاری رہا۔ کچھ دیر پہلے نظر آنے والے گڑھے کی جگہ اب مٹی کا ایک ڈھیر تھا اور اس کی تہہ میں پیار کا شہر..... اتنے دنوں سے رُکے ہوئے آنسو آج پھر آنکھوں سے گر کر مٹی میں جذب ہو رہے تھے.... دعا کے بعد بہشتی مقبرہ سے نکلے تو سورج غروب ہو چکا تھا.... اگلی رات چاند رات تھی اور اس کے بعد امی کے بغیر پہلی عید....

عید کے دو دن بعد دل میں جدائی کے داغ لئے میں کینیڈا کے سفر کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ دریائے چناب کے اس پُل سے میں سینکڑوں مرتبہ گزر چکا تھا اور ہر دفعہ مجھے ایک ہی خیال ہوتا کہ گھر جلدی جانا ہے، امی اکیلی ہوں گی۔ آج اسی پُل کو پار کرتے ہوئے مجھے واپسی کی نہ تو جلدی تھی اور نہ ہی خواہش، کہ اس گھر میں میرا انتظار کرنے والی مامتا بھری آنکھیں بجھ چکی تھیں اور پیار کی وہ صدائیں بھی کہیں فضاؤں میں کھو گئی تھیں جو مجھے واپس بلائیں۔

20 مارچ کو پی آئی اے کی فلائٹ پر میں ٹورانٹو جا رہا تھا جس سے ٹھیک تیرہ ماہ پہلے میں اور امی سفر کر رہے تھے۔ لیکن آج میرے ساتھ اشرف بھائی تھے۔

میں کئی ہفتوں کی تھکاوٹ سے چُور نجانے کس لمحے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ کئی گھنٹوں بعد میں بیدار ہو رہا تھا۔ ذہن پر ایک فکر سی چھائی ہوئی تھی۔ میں خود سے کہہ رہا تھا ''کہیں امی بیٹھے بیٹھے تھک تو نہیں گئیں۔ میری سیٹ ساتھ ملا کر سو جائیں''۔

میں نے جلدی سے آنکھیں کھول کر اپنے بائیں جانب دیکھا..... میرے ساتھ والی نشست خالی تھی۔

معاونین خاص سکالرشپ فنڈ 2014

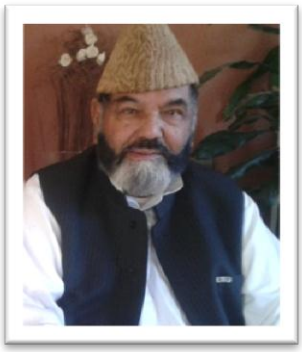

Ch. Abdul Aziz Dogar

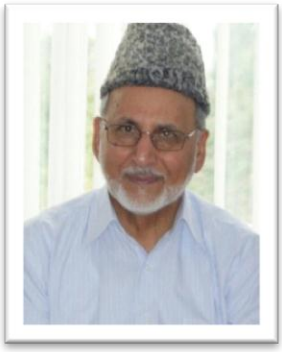

Dr. Mahmood Ahmad Tahir

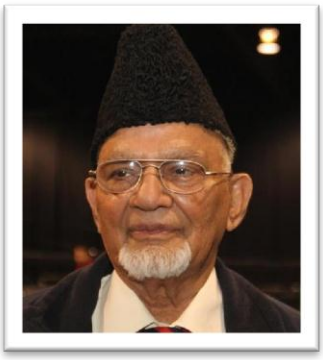

Dr. S. M. Khairul Bashar

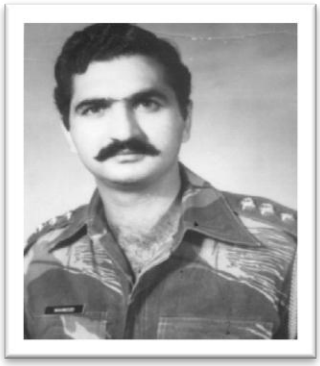

Mahmood Ahmad Lone

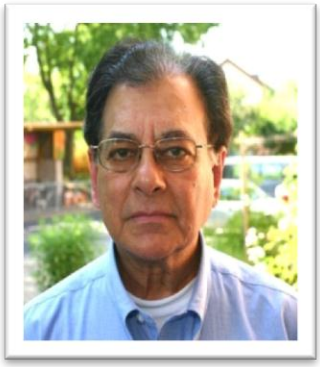

Syed Ilya Bashir Ahmad

Dr. Muzaffar Ahmad

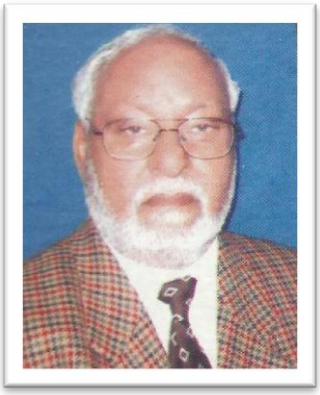

Major Abdul Wahid Rana

Ch. Habibullah Tariq

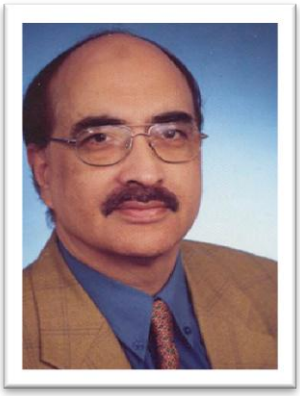

Dr. Naeem Ahmad Tahir

Ch. Daud Ahmad Cheema

Sheikh Mansoor Ahmad

Chaudhry Hamid Ahmad

Abdul Hannan Dogar

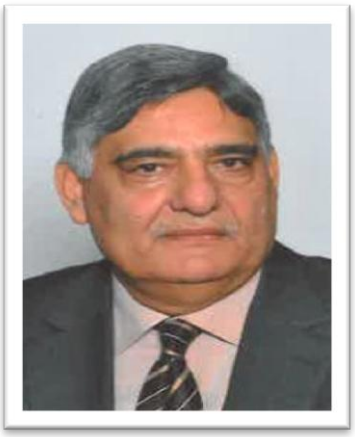

Abdul Shakoor Bhatti

Ikramullah Ranjha

Chaudhry Farooq Ahmad

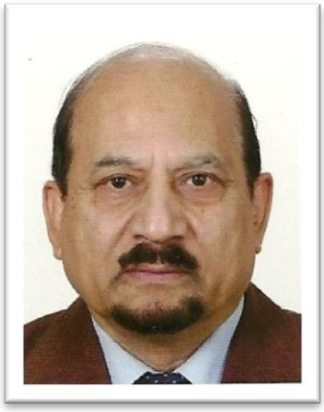

Chaudhry Anis Ahmad

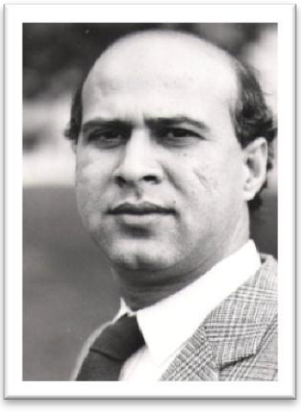

Chaudhry Naseer Ahmad

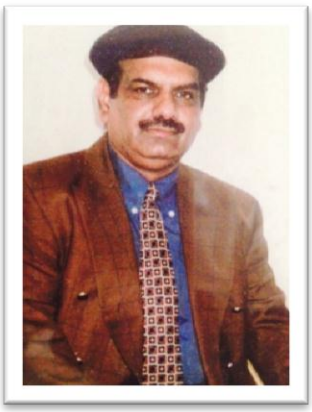

Chaudhry Abdul Ghafoor Dogar

Saeed Ahmad Naz

Muhammad Zaheer Ahmad

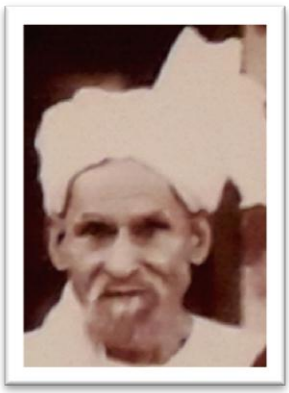

Ch. Maula Bakhsh Marhoom (grand father of Tariq Mahmood

Mr. Tariq Mahmood contributed for his grand father

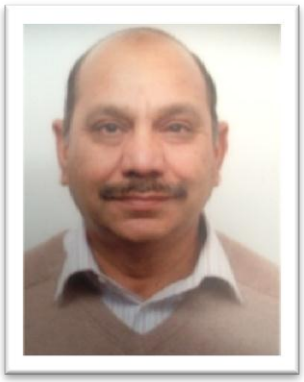

Raja Abdul Rashid Javed

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے پاکستان کے مستحق طلباء کے لئے سالانہ چند وظائف پیش کرنے کا عہد کیا تھا۔ پہلے پانچ سال ہم ہمیشہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ پیش کرتے رہے۔ 2011 میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے توجہ دلانے پر اسی سال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ رقم بڑھا کر چار لاکھ کر دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوستوں کو توفیق عطا فرمائی اور 2012 میں پانچ لاکھ روپیہ صدر انجمن احمدیہ کو پیش کیا گیا۔

الحمد للہ کہ 2013 میں اللہ تعالیٰ نے مزید توفیق بڑھائی اور سات لاکھ روپیہ سکالرشپ فنڈ میں پیش کیا گیا۔ اس سال یعنی 2014 میں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کی برکت سے ایسوسی ایشن کو اس کی امید سے بڑھ کر اس طرح غیب سے مدد حاصل ہوئی کہ ہمارے مطالبہ کے بغیر ہمارے بعض دوستوں نے جن میں سے بعض تعلیم الاسلام کالج کے باقاعدہ طلب علم بھی نہیں رہے اور بعض جرمنی میں مقیم نہیں ہیں انہوں از خود خوشی اور فراخدلی سے سکالرشپ فنڈ ہیں رقوم پیش کر کے ہمیں اس

سال اس قابل بنایا کہ ہم گیارہ لاکھ روپیہ محترم ناظر صاحب اعلیٰ کے توسط سے نظارت تعلیم صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی خدمت میں بھجوا سکے ہیں ۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔۔اللہ تعالیٰ ان کی قربانیاں قبول فرمائے اور انہیں اپنے فضلوں سے بے بہانوازے۔ان احباب کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مکرم محترم لیفٹیننل کرنل ریٹائرڈ سید محمد خیر البشر صاحب مقیم کینیڈا، مکرم محترم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر مقیم انگلستان،

مکرم محترم ڈاکٹر محمود احمد طاہر۔ سیکریٹری امور عامہ جماعت احمدیہ جرمنی،

مکرم محترم محمود احمد لون مقیم چین اور

مکرم محترم ڈاکٹر مظفر احمد آف لاہور پاکستان

مکرم محترم طارق محمود صاحب، فنانس سیکرٹری۔جماعت احمدیہ جرمنی منجانب دادا جان مرحوم چوہدری مولا بخش صاحب

ذیل میں تمام معاونین خاص اور ان کی پیش کی گئی رقوم کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

1۔مکرم محترم لیفٹیننل کرنل ریٹائرڈ ڈاکٹر سید محمد خیر البشر صاحب آف کینیڈا نے ایک لاکھ روپیہ بھجوایا

2۔مکرم محترم چوہدری عبدالعزیز ڈوگر صاحب نے 320 یورو ادا کئے۔

3۔مکرم محترم ڈاکٹر محمود احمد طاہر صاحب نے تیس ہزار روپیہ

4۔مکرم محترم ڈاکٹر مظفر احمد صاحب آف لاہور نے پچاس ہزار روپیہ

5۔مکرم محمود احمد لون برادر مسعود احمد جہلمی مرحوم۔نے پچھلے سال کی طرح اس سال پھر ایک ہزار ڈالر بھجوائے۔یاد رہے کہ مکرم محمود احمد لون بسلسلہ ملازمت چین میں مقیم ہیں

6۔مکرم سید الیاس بشیر احمد حال مقیم ہالینڈ۔100 یورو

7۔مکرم چوہدری داود احمد چیمہ 1200 یورو

8۔مکرم حبیب اللہ طارق 500 یورو

9۔مکرم محترم میجر رئیٹار ڈرانا عبدالوحید ظفر۔کولون۔میجر صاحب نے چالیس ہزار روپیہ ادا کیا۔

10۔مکرم شیخ منصور احمد 300 یورو

11۔مکرم ڈاکٹر نعیم احمد طاہر 300یورو

12۔مکرم سعید احمد ناز 200یورو

13۔مکرم محترم اکرام اللہ رانجھا300یورو

14۔مکرم محترم عبدالحنان ڈوگر300یورو

15۔ مکرم محترم چوہدری فاروق احمد صاحب، ہمبرگ300یورو

16۔مکرم محترم عبدالشکور بھٹی صاحب300یورو

17۔مکرم محترم چوہدری انیس احمد منجانب سائیرہ مرحومہ300یورو

18۔مکرم محترم چوہدری نصیر احمد صاحب یورو300

19۔مکرم محترم راجہ عبدالرشید جاوید300یورو

20۔مکرم محترم طارق محمود صاحب سیکریٹری مال۔جماعت احمدیہ جرمنی200یورو

21۔چوہدری عبدالغفور ڈوگر100یورو

22۔مکرم محترم محمد ظہیر احمد صاحب، سافٹ ویر انجنیئر100یورو

23۔خاکسار پروفیسر حمید احمد چوہدری300یورو

ایک مزید دوست جو ہمارے خاص معاونین میں ہیں اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ان کے علاوہ بھی بہت سے دوستوں نے حسب توفیق کچھ نہ کچھ رقم اس فنڈ میں پیش کرنے کی توفیق پائی۔خاکسار گاہے بگاہے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی خدمت میں ان سب کے لئے دعا کی درخواست کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کی قربانیوں کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

خاکسار حمید احمد چوہدری۔صدر ایسوسی ایشن

توسیع شدہ ایڈوائزری کمیٹی

ممبران کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کام کے نو سالہ تجربہ کے بعد ایسوسی ایشن کے امور میں بہتری پیدا کرنے کے لئے خاکسار نے آپ کی منتخب کردہ ایڈوائزری کمیٹی میں توسیع کی ضرورت محسوس کی۔ کمیٹی سے مشورہ کے بعد توسیع شدہ کمیٹی کے درج دوستوں پر مشتمل ہے ہیں:

مکرم ڈاکٹر نعیم احمد طاہر	نائب صدر
مکرم چوہدری منیر احمد باجوہ۔ ہمبرگ	نائب صدر
مکرم میجر عبدالوحید ظفر رانا۔ کولون	نائب صدر
مکرم چوہدری انیس احمد	جنرل سیکرٹری
مکرم چوہدری منور احمد باجوہ	سکریٹری مال
مکرم چوہدری نصیر احمد ایڈیشنل سکریٹری مال	
مکرم عبدالحنان ڈوگر	سیکرٹری تجنید
مکرم سعید احمد ناز	سیکریٹری ضیافت
مکرم محمد عاقل خان	
مکرم عرفان احمد خان	
مکرم حمید احمد خالد صاحب	

مکرم محترم مولانا فضل الٰہی انوری صاحب۔ لائف ممبر	
مکرم چوہدری داؤد احمد چیمہ	
مکرم چوہدری حبیب اللہ طارق صاحب	
مکرم عبدالشکور بھٹی	
مکرم شیخ منصور احمد	
مکرم چوہدری کولمبس خان صاحب۔ چیف ایڈیٹر المنار	
مکرم محمد ظہیر احمد صاحب	
مکرم سید محمود زمان عباسی	
مکرم راجہ عبدالرشید جاوید	
چوہدری عبدالغفور ڈوگر	

ایک ضروری اعلان

اس سال یعنی 2014 کے اختتام پر موجودہ انتظامیہ کمیٹی اپنے تین سال مکمل کرلے گی۔ اس سے پہلے اگلے تین سال کے لئے نئی انتظامیہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔ خاکسار ایسوسی ایشن کے قیام سے آپکی خدمت کرتا رہا ہے۔ میری عمر اور صحت کا تقاضا ہے کہ اب اس ذمہ داری کے لئے کسی دوسرے دوست کا انتخاب کیا جائے۔ جہاں میں اپنے تمام بھائیوں کا تہ دل سے مشکور ہوں جن کا غیر مشروط مکمل تعاون مجھے ہر قدم پر حاصل رہا جس کے بغیر میرے لئے کچھ بھی کرنا ممکن نہ تھا، میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ اگلے انتخاب میں جب بھی اس کی تاریخ کا اعلان ہو، آپ شامل ہوں اور نئے صدر کا انتخاب کریں۔ خدا کرے کہ آپ کا قدم ہمیشہ آگے بڑھتا رہے اور ہم حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی توقعات پر پورے اترتے ہوئے حضور کی شفقت بھری رہنمائی اور دعاؤں کے مستحق رہیں کیونکہ اس کے بغیر کچھ بھی کرنا ممکن نہیں۔

خاکسار حمید احمد۔ صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بسم الله الر حمٰن الرحيم

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful

Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

Quarterly Magazine of

T.I. College Old Students Association Germany

English and German Section

ALMANAR

July 2014

Director: Prof. Hamid Ahmad Chaudhry

Editors: Frau Munnazza Aqil Khan

Frau Areeba Dogar

Manager: Chaudhry Abdul Ghafoor Dogar

Design: Muhammad Zaheer Ahmad (Software Engineer)

Contents

Inhalt

Nr.	Artikle	Page
1	Dr. Mehdi Ali Qamar Shaheed	1
2	Letter to Prime Minister of Pakistan	3
	Urdu Section	

Dr. Mehdi Ali Qamar Shaheed

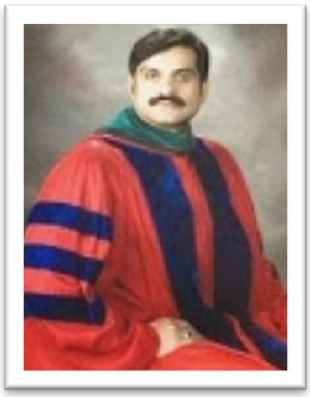

This issue of Al-Manar is being dedicated to the memory of our dear brother Dr. Mehdi Ali Qamar Shaheed, who was gunned down in early hours of the morning in front of his wife and two and a half year old son on 26th of May 2014 just as he was entering *Bahishti Maqbra* in Rabwah to pray on the graves of his forefathers and the elders of Jamaat. Dr. Mehdi Ali Qamar, who was a renowned cardiologist in Ohio State of the United States of America, had taken three months leave from his lucrative job, and had offered his voluntary services to Fazl-e-Umar hospital to work at the Tahir heart Institute, one of the best heart centers in Pakistan, that offers free medical services to the underprivileged population of the area.

Much has been said and written on this horrendous action of brutality that seems to have been perpetrated only because Dr. Mehdi Ali Qamar Shaheed believed that the prophecy of the Holy Prophet Mohammad has been fulfilled according to which the Holy Prophet had predicted that a time shall come on his Umma, when people shall read the Holy Quran, but it will not go down their throats, the mosques shall be full of worshippers, but empty of righteousness, their *"Ulema"* shall be the worst creatures on earth under the sky. At that time Allah shall send a "*Mahdi"*, a reformer, who will purge all impurities that would have found their way in the then Islamic faith and bring back the true teachings of his Master, the Holy Prophet Mohammad (s.a.w.s.). Having such a belief these days amounts to "*apostasy*" in the constitution of the "Islamic State of Pakistan" and is to be punished with death.

Dr. Medhi Ali Qamar Shaheed was a victim of a hate campaign launched in the country against Ahmadis, An anti-Ahmadiyya organization known as *"Shabane Khatame Babuwat"* had openly started distributed a poster urging the Muslims not to visit the Tahir Heart Institute at Rabwah that read as follows:

"It his Haram and an unforgivable transgression to visit Tahir Heart Centre or seek medical advice

from any of the doctors working there. Mirzai and Qadianis are apostates and Kafirs and anyone who maintains relations with them is himself a Kafir and will burn in hell"

Elsewhere in the Urdu section of this issue, we have reproduce the teachings of the Holy Quran, the Holy Prophet (s.a.w.s), the promised Messiah and the Khulafa-e-Ahmadiyyat on the subject of trials and tribulations predicted for the believers and the rewards promised for those who bear these in patience and prayer. I would like to share with the readers a letter that I wrote to the Prime Minister of Pakistan and copied to several human rights campaigners in Pakistan. The prime Minister, not unexpectedly, did not respond but some well famed journalists and No.G.O.s did, one of whom write as follows:

Dear Hamid Chaudhry Sahib,

I read your letter to the Prime Minister and feel ashamed of myself belonging to such a 'Muslim' community. I share your disappointment and sorrow. My heart bleeds for Dr. Mehdi and his family. I have no words to express my anger and grief.
In grief and solidarity

Whereas our ultimate hope lies in Allas, we are grateful to our brothers all over the world who have condemned this brutality and expressed their solidarity with the Ahmadiyya MuslimJamaat.

Hamid Ahmad Chaudhry

Letter to Prime Minister of Pakistan

Excellency

Mian Muhammad Nawaz Sharif
Prime Minister of Pakistan
Islamabad

Frankfurt/Main

May 28, 2014

BLEED, THE BELOVED COUNTRY

Dear Prime Minister,

Hardly two weeks ago was a 61 year old member of the Ahmadiyya Muslim Jamat shot dead in the prison cell in Sharaqpur/Sheikhupura, because he had allegedly removed a vilifying poster from a public place. Another couple of months ago a 72-year old doctor, who was a Brithish citizen, had to spend several months in jail for reading the Holy Quran.

Now early in the morning on Monday, the 26th of May 2014 in Rabwah, the headquarters of the Ahmadiyya Muslim Jamat 51 year old Dr.Mehdi Ali Qamar, an Assistant Professor of Cardiology at the Ohi University U.S.A. who had been declared "Cardiologist of the year" by his institution in USA was gunned down as he, in company of his wife and 2 ½ year-old child, was on his way to the city graveyard after Fajar prayer, to pray at the graves of his elders. The ground: He was an Ahmad Muslim.

Dr Mehdi had taken three months leave from his employers in USA, to serve as a voluntary Cardiologist at Tahir Heart Institute, one of the best heart centres in Pakistan, that provides free or subsidised medical services to all Pakistanis, irrespective of their cast or creed. According to estimates 70 % of the patients who visit the hospital do not belong to the Ahmadiyya Jamaat.

Just look at look at the vilifying posters that decorate the walls of cities around. "It his Haram and an unforgivable transgression to visit Tahir Heart Centre or seek medical advice from any of the doctors working there. Mirzai and Qadianis are apostates and Kafirs and anyone who maintains relations with them is himself a Kafir and will burn in hell."

Who can fail to understand that murder of Dr. Mahdi Ali is a logical result of such hatred preaching posters and provocative public utterances of the unbridled Mullahs, who are quietly tolerated, if not actively encouraged and supported, by the government of Pakistan.

Dear Prime Minister, the Ahmadiyya Muslim Jamat has been taught not to retaliate even in the face of provocation, and only pray to God; and that is what we shall do. But the whole world is watching what is happening in your country. This is how Islamic republic presents the image of Islam to the civilised world. How long shall this murder in the name of Allah continue. Fear Allah. He has His own ways of retribution.

Yours sincerely

Hamid Ahmad Chaudhry

This letter is being copied to:

1) Mr David Cameron, Prime Minster of United Kingdom
2) Herr Frank-Walter Steinmeier, Foreign Minister of Germany
3) Ch. Mohammad Sarwar, Governor Punjab
4) Chaudhry Nisar Ali Khan, Federal Interior Minister, Pakistan
5) Mr Abdul Basit, Ambassador of Pakistan in Germany
6) Dr. Imtiaz A. Kazi, Consul General of Pakistan in Frankfurt